معارفُ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد دوم

کتاب الرقاق، کتاب الاخلاق

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دارالاشاعت

فہرست مضامین

کتاب الاخلاق

اچھے اخلاق اور برے اخلاق

پہلی جلد کی طرح اس دوسری جلد کی حدیثیں بھی عموماً مشکوٰۃ المصابیح ہی سے لی گئی ہیں، چند حدیثیں جمع الفوائد سے بھی لی گئی ہیں اور ان کی تخریج میں انہی دونوں کتابوں کے مؤلفین پر اعتماد کیا گیا ہے، صرف دو چار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح کی ان ہی کتابوں سے لی ہیں جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

جو حدیثیں بخاری و مسلم کی لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف ان ہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا اس کے صحیح اور مقبول ہونے کی ضمانت کیلئے کافی ہے۔

احادیث کی ترتیب، ترجمہ و تشریح اور عنوانات میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے، اسلئے اب یہاں انکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس دوسری جلد پر مقدمہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے جس میں انہوں نے حدیث و سنت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے ایک نئی راہ کھولی ہے، امید ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقل سلیم کی دولت سے بالکل محروم نہ کر دیئے گئے ہوں گے، ان کو مقدمہ کے ان چند صفحات ہی کے مطالعہ سے یہ یقین ان شاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ حدیث و سنت کی محفوظیت کا انکار اور اسکے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گذارش یہ ہے

پہلی جلد کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ حدیث نبوی کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور اقدس ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری کلمہ، اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اس سے حسن توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اسکے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ

مقدمہ

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں وہاں صراحۃ ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۱) تلاوت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیہ نفوس۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (الجمعہ ۶۲:۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا، جو ان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ ۲:۱۵۱)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

در حقیقت بعثتِ محمدی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی، محمد رسول اللہ ﷺ نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، حسن سلوک و ہمدردی، بر و مواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے، صحابۂ کرامؓ ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت ﷺ کی بعثت و رسالت و تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس تحیر انگیز انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱۔ قرآن مجید
۲۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی، آپ کی زندگی، سیرت و اخلاق۔
۳۔ آپ کے ارشادات و ہدایات، مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیے سے دیا جلتا ہے، صحابہ کرامؓ اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور روحانی کیفیات نظر آتی ہیں وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات و نصائح، تلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات، اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے "اقم الصلوٰۃ" کا حکم پایا تھا اور "الذین ھم فی صلاتھم خاشعون" کی تعریف بھی سنی تھی، مگر انہوں نے اسکی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی، جس کو انہوں نے "سمع له ازيز كازيز المرجل" (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے" کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مؤمن کا ایک محبوب فعل ہے لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے "قرة عيني في الصلوة" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ "ارحنا يا بلال" (بلال اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا انکو نماز کیساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا، اسی طرح جب تک انہوں نے خاصانِ امت کے سلسلہ میں "رجل قلبه معلق في المساجد" (ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا" کے الفاظ نہیں سنے، انکو مسجد اور قلب مؤمن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا، انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی، دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع و ابتہال (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اسکی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ "اللهم انشدك عهدك و وعدك اللهم ان شئت لم تعبد"[1] (اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر

[1] بخاری جلد ثانی کتاب المغازی

جماعت کو ہلاک کر دیا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا "حَسْبُكَ" (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے، لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا۔

اللّٰهم انك تسمع كلامي وترى مكاني و تعلم سرى وعلانيتى لا يخفى عليك شيء من امرى و انا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقر المعترف بذنبي، أسألك مسألة المسكين و ابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير ودعاء من خضعت لك رقبة وفاضت لك عبرته و ذل لك جسمه ورغم لك انفه اللّٰهم لا تجعلني بدعائك شقيًا و كن لي رؤفا رحيما. ياخير المسئولين و يا خير المعطين۔ [1]

اے اللہ! تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے) اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، (اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقتی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا، اور "ما الحيوة الدنيا الا لهو ولعب وان الدار الاخرة لهي الحيوان" (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور "اللهم لا عيش الا عيش الاخرة" پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔ [2] اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر

---

[1] کنز العمال عن ابن عباس۔

[2] ملاحظہ ہو معارف الحدیث حصہ دوم حصہ کتاب الرقاق زیر عنوان "رسول اللہ ﷺ کی فقر پسندی"

وقت تشنہ رہتا۔

اسی طرح مودت، رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں انکی تخلیق نیز صحیح عمل انکو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب، اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات و نصیحتیں اور ارشادات سنے، انکو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر انکی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنازہ، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے، مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبوی "إن من أبر البر أن يصل الرجل أهل ود أبيه بعد أن يولي" (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد اسکے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہنچ سکتے، جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔ "وربما ذبح الشاة ثم يقطعها أعضاء ثم يبعثها في صدائق خديجة" (اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)۔

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے درکار ہے، مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح، جسم کی حفاظت، اسکی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و مؤثر بنائیں، اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و تعقل، خشوع، خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے

جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ والانقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے، مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اسکے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعاء، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان واقامت کا ثواب امامت کی فضیلت و منصب اور اسکے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب وہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے، اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اسکے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے، صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے اور انکو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جو اب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو انکی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ وانابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے، دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں، وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشو و نما و ترقی حاصل کرتے اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے، انہوں نے بالآخر اسکی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب "تذکرۂ اہل طریقت" کے واقعات و ملفوظات سے پر کیا، مگر اس "عقیدت پرستی" نے رفتہ رفتہ مذاہب و اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی

اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے[1]۔ اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے زندگی گزاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کیلئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعۃً اس ماحول میں پہنچ جائے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس موجود ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ مصروف تکلم اور صحابۂ کرام گوش بر آواز ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے تہجد کی کیفیت آنکھوں سے اور آپکی دعا، مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں) کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ أفلا أكون عبدا شكورا (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں جنکی آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا جنہوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابۂ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، انکے دنوں کی تپش انکی شبوں کا گداز، انکی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، انکی بے نفسی وللہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے، ان کا انتقام کا حل اور انکی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں، یہاں ابو طلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور حضرت کعب بن مالک کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے، غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کیساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت انکی شریک و سہیم نہیں، ایک ایسا مذہب جس کو

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو [illegible] خطبہ نمبر [illegible]۔

قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے، تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے، صحابۂ کرامؓ کا عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا، پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران خراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف انکا غیر معمولی حافظہ انکا عزم و عالی ہمت، پھر اسماء رجال و فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکۂ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر انکا انہماک و خود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اسکی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت[1] یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ تبع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفۂ زندگی" کو محفوظ کرنا مقصود تھا، اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرامؓ کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہؓ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقے سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کے طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابۂ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تعلق و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع احتساب نفس، وہی شوق آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبۂ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے اور سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اسکے ذریعہ سے عہد صحابہؓ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسوم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سر تاپا مادیت انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اسکے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کیلئے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی فاضلانہ تصنیف "تدوین حدیث" شائع کردہ مجلس علمی کراچی ۱۲۔

اور اسکو ہر دینی حقیقت پر علمی و ذہنی طور پر بھی شرح صدر ہو اس سب کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اختلاط و اجتماع اور مطالعہ کے ذریعہ اس عصر کی افتاد طبیعت اور دماغی ساخت سے بھی واقف ہو، نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی بے خبر نہ ہو، اور اپنے حاضر علم، وسیع مطالعہ، وسیع تجربہ اور خدا داد فہم و قوت استدلال سے احادیث کی ترجمانی اور نئے ذہن کی تشفی کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ اس نے اس اہم اور نازک کام کے لئے رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو منتخب فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے دینی و علمی کام کی توفیق عطا فرمائی ہے، لیکن میری نظر میں ان کے تمام کاموں میں اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور مجھے بھی اس کی سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں مولانا سے اس کام کی تکمیل کا تقاضا کروں، اس وقت انکی کتاب معارف الحدیث کی دوسری جلد قارئین کے سامنے ہے جس میں زہد و رقاق اور اخلاق سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو مرتب کر کے اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جن سے بڑھ کر اصلاح قلوب، تزکیۂ نفس اور تربیت اخلاق کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کے بعد دنیا کے ادب میں موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی صحت و زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ وہ اس اہم سلسلہ کو جلد از جلد مکمل کر لیں۔

ابوالحسن علی ندوی

(۷ ذی الحجہ ۷۶ھ)

مرکز قوت اصلاح و تبلیغ، لکھنؤ

معارفُ الحدیث

حصۂ دوم

کتاب الرّقاق

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَ اَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ

(رواہ الترمذی وابوداؤد عن زید بن ثابت)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سنے، پھر اُسے یاد کرے اور محفوظ رکھے اور دوسروں تک اُسے پہنچائے، پس بہت سے لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں، مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہنچا دیتے ہیں جو اُن سے زیادہ فقیہ ہوں۔ ([illegible])

کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھیں اور دوسروں کو سنا کر اور پہنچا کر حضور ﷺ کی اس دعا کے مصداق بنیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ناظرین کو اس خیر عظیم میں حصہ لینے کی توفیق دے۔ آمین

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتاب الایمان، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ کتاب النکاح، کتاب البیوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت ان ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان "کتاب الرقاق" کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے وابستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اسکے علاوہ اسی عنوان کے تحت رسول اللہ ﷺ کے مؤثر خطبات و نصائح اور مواعظ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہ یہی ہوتا ہے، جو کتب حدیث میں "کتاب الرقاق" کے زیر عنوان درج ہوتا ہے، اس لئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف کی یہی اساس و بنیاد ہے۔

ہم اس سلسلہ کو ان حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کے جو اثرات ان خوش نصیب اہل ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنہوں نے سب سے پہلے خود حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ ارشادات سنے تھے، اللہ تعالیٰ ان کا کوئی ذرہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

خدا کا خوف اور فکر آخرت

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اس خوف و فکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کے مشہور صحابی حضرت حنظلہ ابن الربیع کی حدیث جو چند صفحات کے بعد آپ پڑھیں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہی تھا، اور صحابہ کرامؓ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو ان کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے ہی سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں، جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلاشبہ ایک پوری کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف چند ہی حدیثیں اس سلسلہ کی درج کی جاتی ہیں۔

اگر عالم غیب تم پر منکشف ہو جائے

(۱) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَكَیْتُمْ كَثِیْرًا وَّلَضَحِكْتُمْ قَلِیْلًا۔** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی، اور اس کے قہر و جلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا اطمینان و سکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔ اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوگی۔

(۲) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا فِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدٌ لِلّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِیْلًا وَّلَبَكَیْتُمْ كَثِیْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰهِ. قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ یَا لَیْتَنِیْ كُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ۔** (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں عالم غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرایا ہے، اور حق ہے کہ وہ چرچرائے۔ قسم ہے اس ربّ ذوالجلال کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ (اس حدیث کو نقل کرکے) ابوذر فرماتے ہیں کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا۔

[illegible]

تشریح: اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے خدا کے پیغمبر کا اصل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو غیبی حقائق اس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اس کی طرف وحی کی جائے، وہ اللہ کے دوسرے بندوں کو پہنچائے اور اس پر ایمان لانے والے اس کے امتیوں کا مقام اور کام

یہ ہے کہ اس پیغمبر کے اعتماد و اعتبار پر ان سب باتوں کو وہ حق جانیں، مانیں اور ان ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع، عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، ان کی دسترس صرف اسی عالمِ شہود تک محدود ہے، عالمِ غیب تک ان کی رسائی نہیں ہے، اسلئے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سماع و مشاہدہ اور ان کی خبر پر ہم اعتماد کریں، اور یقین لائیں، اسی کا نام ایمان ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں عالمِ غیب کے اپنے اس دیدہ تک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے، کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے، اور چار انگل بھر جگہ بھی اس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو۔ اللہ اکبر! اللہ اعظم! اللہ اجل!!! آگے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اس دنیا میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالہ و فریاد اور گریہ وزاری کرتے پھرو۔ حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ ان کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل جاتی تھی، کہ اے کاش! میں ایک درخت ہوتا، جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر آخرت میں حساب کے لئے میری پیشی نہ ہوتی۔

ف اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافتِ ارضی کا کام لینا ہے، اور وہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان اس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اسلئے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں سے پردۂ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یا دوزخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو برأی العین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لینا تھا، اسکے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے، اور ایک درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کرا دیا جائے، تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصبِ عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی، اسلئے اس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمت خداوندی نے آپ کے قلبِ مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے تمام فرائضِ منصبی کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی گزار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقے کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو

۱۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِصَلٰوةٍ فَرَأَى النَّاسَ كَأَنَّهُمْ يَكْتَشِرُوْنَ قَالَ أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ

أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَى الْمَوْتَ فَأَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ إِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُولُ أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَأَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَأَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَأَنَا بَيْتُ الدُّودِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَأَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذْ وُلِّيتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهِ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَلَا أَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذْ وُلِّيتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتَّى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِأَصَابِعِهِ فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِي جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَيُقَيَّضُ لَهُ سَبْعُونَ تِنِّينًا لَوْ أَنَّ وَاحِدًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ مَا أَنْبَتَتْ شَيْئًا مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا فَيَنْهَشْنَهُ وَيَخْدِشْنَهُ حَتَّى يُفْضِيَ بِهِ إِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ. (رواہ الترمذی)

تشریح حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ ﷺ نے (ان کی اس حالت کی اصلاح کیلئے) ارشاد فرمایا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے، لذتوں کو توڑنے والی موت کو زیادہ یاد کیا کرو (اسکے بعد فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جسکو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بننا ہے اور وہ) پکارتی ہے۔ (ظاہر یہ ہے کہ زبان قال سے پکارتی ہے، اور اسکی اس پکار کو وہی سن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبان حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر بندہ ہر وقت سن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبان حال کی باتیں سننے والے کان عطا فرمائے ہوں)۔ (اسکے بعد آپ نے اسکی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کو واسطہ اس زمین سے پڑتا ہے اور وہ اسکے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اسکے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مؤمن و مسلم ہو، تو زمین (کسی عزیز اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور) کہتی ہے مرحبا (میرا دیدہ و دل فرش راہ) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے، اور آج جب تم میرے سپرد کر دئے گئے ہو، اور میرے پاس آگئے ہو، تو تم دیکھو گے کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لئے) میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اس بندۂ مؤمن کے لئے حد نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا

جاتا ہے۔ اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی یا (آپ نے فرمایا کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے ان سب سے زیادہ مبغوض تھا، اور آج جب تو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آگیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر وہ زمین ہر طرف سے اس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہاں تک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں۔ ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا، اس کے بعد فرمایا "پھر اس پر ستر اژدھے مسلط کر دیے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اگا سکے، پھر یہ اژدھے اسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچایا جائے۔ ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔ (جامع ترمذی)

تشریح قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، اور عقل کی نافی سے جو سوالات اور شبہات اس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں ان کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے، یہ بھی وہیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے، خواہ وہ اصطلاحی قبر ہو یا نہ ہو، اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات میں جہاں جہاں حدیثوں میں "ستر" کا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عدد آتا ہے، تو اس سے مراد صرف کثرت اور بہتات بھی ہو سکتی ہے، الغرض ان سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس روح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے، اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلاشبہ یہ تیر بہدف علاج ہے۔ صحابہ میں جو تقویٰ، جو خوف خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے اسی طریق علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف بس ان ہی بندگانِ خدا میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف اور خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

۴) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللهَ اذْكُرُوا اللهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ۔

(رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو آپ اٹھتے، اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آگیا ہے ہلا ڈالنے والا، قیامت کا

بھونچال (یعنی نفخۂ اولیٰ) اور اس کے پیچھے آ رہا ہے دوسرا (یعنی نفخۂ ثانیہ) موت ان سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آ پہنچی ہے، جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آ چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اسکے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عام اہل ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے تھے، اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کیلئے اس وقت آپ انکو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے۔ بلاشبہ خواب غفلت کو دور کرنے کے لئے اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے، یہ نسخہ بڑا اکسیر ہے۔ آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کیلئے بستر سے اٹھنا مشکل ہو وہ اگر اسوقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِیَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے، اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے یاد رکھو اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔

عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحری میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بخیریت و عافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مثال سے سمجھایا کہ جس طرح رہزنوں کے حملہ سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہنچنے کے لئے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے، اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ: بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ

یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان و مال اور خواہشات نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے، اور وہ چیز جنت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (الآیۃ)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کے جان و مال جنت کے عوض میں خرید لیے ہیں، وہ اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان و مال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری کرنے والے ہی ہوشیار اور دور اندیش ہیں

٢٦) **عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ وَأَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ أَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَأَكْثَرُهُمْ اسْتِعْدَادًا أُولَئِكَ الْأَكْيَاسُ ذَهَبُوا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْآخِرَةِ.**
(رواه الطبراني في المعجم الصغير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں، وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔ (معجم صغیر طبرانی)

تشریح: جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنہیں مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہاں سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

٢٧) **عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ.** (رواه الترمذي وابن ماجه)

ترجمہ: شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: دنیا میں کیّس (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کرنا چاہے کر سکتا ہو، اور بیوقوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو۔ اور اہل دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، ان کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اس زندگی میں کامیابی ان ہی کیلئے ہے جو اس

دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گزارو ہیں، اسلئے در حقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پاکر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہے۔ اور اسکے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا دیا ہے، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب و نامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے کہ:

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے، جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پرواہ اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے امیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور ان کا انجام نامرادی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجاء یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی امید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو امید بے عملی اور بد عملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجاء محمود نہیں ہے بلکہ نفس و شیطان کا فریب ہے۔

نیکی اور عبادت کرکے ڈرنے والے

(۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ أَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ

(رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید کی آیت "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح سورۂ مومنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے

ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے "وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ" (جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترساں رہتے ہیں)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ: کیا اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو شامت نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے بلکہ گناہگاری کے باوجود ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں اس آیت سے مراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات جیسے اعمال صالحہ کرتے ہیں، اور انکے باوجود انکے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے یا نہیں۔ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے "أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ" (یہی بندے حقیقی بھلائیوں اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی شان بے نیازی اور اس کا قہر و جلال اس قدر ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بندے سے بڑا عبادت گزار بھی اپنی عبادت کو ہیچ سمجھے گا

(۹) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَفَعَهُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا يَخِرُّ عَلَى وَجْهِهِ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ إِلَى يَوْمِ يَمُوتُ فِي مَرْضَاةِ اللهِ لَحَقَرَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہوں گی، اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہوگا، یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں

پڑا ہوا ہو، اس کا احساس بھی نہیں ہو گا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ٹھیک سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہو گی

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللهِ طَالِبًا. (رواه ابن ماجه والدارمي والبيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا اے عائشہ! اپنے کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے، اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہی نصیحت فرمائی ہے اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں لیکن در حقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت ﷺ کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی ضرورت ہے، تو ہم شما کے لئے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہونے والی ہے ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے، دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے، پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے ہیں اور بھاگتے ہیں، اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

گناہوں کے انجام کا خوف اور رحمت خداوندی سے امید

(۱۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَرْجُو اللهَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاِنِّي اَخَافُ ذُنُوْبِي فَقَالَ ﷺ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللهُ مَا يَرْجُوْ مِنْهُ وَاٰمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ ۔ (رواه الترمذي)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جوان کے پاس اس کے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا

سے رخصت ہو رہا تھا، تشریف لے گئے، اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں، اور اس کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا یقین کرو، جس دل میں امید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں) جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرما دیں گے، جس کی اس کو اللہ کی رحمت سے امید ہے، اور اس عذاب سے اس کو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اس کے دل میں خوف و ڈر ہے۔ [illegible]

[illegible] بیشک اللہ کا خوف اور اس کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہے۔

جس کے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف پیدا ہوا وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا

۱۲) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ جَلَّ ذِكْرُهُ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ۔ [illegible]

[illegible] حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا، کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔ [illegible]

[illegible] کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے، کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور اس کا کوئی عمل بھی اس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا، اسلئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص دنیا سے اس حال میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا، بلکہ ایمان اسکو [illegible] کبھی اللہ کو یاد کیا تھا، یا کسی موقع پر اسکے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت

۱۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَاْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

[illegible] حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم، مثلاً مکھی کے سر برابر

(یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اسکے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوف خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو، اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آنچ بھی اس کو نہ لگ سکے گی۔ "کتاب الایمان" میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، انکا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضہ اور خاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس سے تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر کبھی ایسا گناہ اس سے ہوا ہو تو وہ اس سے تائب ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو۔ یہ نہ سمجھا جائے، کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

اللہ کے خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سعادت

(۱۹) عَنِ الْعَبَّاسِ رَفَعَهُ اِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا.

ترجمہ حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اسکی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

تشریح خوف و خشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسکے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہے، اسی طرح حضرت عباسؓ کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

ایک گناہ گار نے خوف خدا سے بہت بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا

(۱۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أَسْرَفَ رَجُلٌ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصَى بَنِيْهِ إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا أَمَرَهُمْ فَأَمَرَ اللهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ لِمَ فَعَلْتَ هَذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهُ

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گزارتا رہا) جب اس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا اور آخرت کے برے انجام سے وہ بہت ڈرا یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، کہ جب میں مر جاؤں، تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا، پھر تم میری اس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا، اور آدھی کہیں دریا میں بہا دینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ کیا جاؤں اس لئے کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم اگر خدا نے مجھے پکڑ لیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دیگا۔ اسکے بعد جب وہ مر گیا، تو اسکے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اڑا دیا اور کچھ دریا میں بہا دیا)۔ پھر اللہ کے حکم سے خشکی اور تری سے اسکے اجزاء جمع ہوئے (اور اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا، تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانے کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اعمال بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اسنے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کر دی، اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا، لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشا اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اسکے عذاب کا ڈر تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ "لئن قدر اللہ علیہ" کے بارے میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک سیدھی سی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ڈرے سہمے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی اللہ تعالیٰ کے کرم نے اسکو بھی معاف کر دیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

خدا کا خوف اور تقویٰ کی فضیلت اور قرب کا سبب

(۱۶) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَهٗ اِنَّكَ لَسْتَ بِخَیْرٍ مِّنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَهٗ بِتَقْوٰی۔** (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ البتہ تقویٰ، یعنی خوف خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی فضیلت کا معیار بس تقویٰ ہے (یعنی خوف خدا اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقویٰ میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے: "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ"

(۱۷) **عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَی الْیَمَنِ خَرَجَ مَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُوْصِیْهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَمْشِیْ تَحْتَ رَاحِلَتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ یَا مُعَاذُ اِنَّكَ عَسٰۤی اَنْ لَّا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ هٰذَا وَقَبْرِیْ فَبَكٰی مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَ الْمَدِیْنَةِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَیْثُ كَانُوْا۔** (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضورؐ بھی ان کو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے اُن کے ساتھ چلے، اس وقت حضرت معاذؓ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اور حضورؐ خود ان کی سواری کے پیچھے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اور وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے یہ فرمائی کہ اے معاذ! شاید میری زندگی کے اس سال کے بعد میری تمہاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا آپ نے ان کو اشارہ فرمایا کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اور میں عنقریب ہی اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور شاید ایسا ہو کہ (اب جب بھی تم یمن سے واپس آؤ، تو بجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اس مسجد اور میری قبر پر گذرو۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ (حضورؐ کی وفات کے تصور اور) آپ کے فراق کے صدمہ سے رونے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر کے، اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا مجھ سے زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقوے والی

زندگی گزارتے ہیں، وہ جو بھی ہوں، اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

تشریح حضور ﷺ کے ارشاد کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے، اور میرے ساتھ اس تعلق کا دارومدار تقوے پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنا ہی دور یمن میں یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہو، لیکن اس کو خوف خدا اور تقویٰ نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اور گویا میرے ساتھ ہے، اور اسکے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اس کا دل تقوے کی دولت سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اور میں اس سے دور ہوں۔ آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت معاذؓ کو تسلی دی، کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوف خدا اور تقویٰ تمہارے دل، اور تمہاری روح کو نصیب ہے، تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور نہ ہو گے۔ اسکے علاوہ دنیا کی یہ زندگانی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دار آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقویٰ والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ غالباً اس لئے حضرت معاذؓ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا، کہ معاذؓ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہو گئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذؓ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محب کا رونا دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اسلئے اس وقت آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذؓ کو رخصت کرتے وقت آپ نے ان کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کر دیا اور خود بات کرتے ہوئے پیدل پیچھے چلتے رہے۔ اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، ان سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقویٰ ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ ﷺ کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے، جسکی بشارت حضورؐ نے اس حدیث میں دی ہے۔

خوف و خشیت اور فکر آخرت کے لحاظ سے

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا حال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جا رہی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ خوف خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کا حال کیا تھا۔ اور ان کی زندگی پر اسکے کیا اثرات پڑتے تھے۔

(۱۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يُدْخِلُ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ

ہود کی سرکش قوم عاد پر ابر ہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انہوں نے اس کو ابر رحمت سمجھا تھا، حالانکہ وہ عذاب کی آمد تھی۔ حدیث میں آیت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ ناتمام ہیں۔ آخری حصہ یہ ہے: بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

(۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَ الْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپا آگیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ تکویر (اذا الشمس کورت) نے۔

رسول اللہ ﷺ کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی اور قویٰ جیسے اچھے اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اسکے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز عرض کیا کہ حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورۂ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا۔ ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجرمین پر اللہ کے عذاب کا بڑا وحشت ناک بیان ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کے مضامین سے اس قدر متاثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں، اسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ”يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا“ کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خوف خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کا حال کیا تھا۔

(۲۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِي الْمُهْلِكَاتِ. (رواه البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمہاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں انکو مہلکات میں شمار کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام پر خوف خدا کا اتنا غلبہ تھا، اور وہ آخرت کے حساب و انجام سے اس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اور ان

سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے، اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے، جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۲۲) عَنِ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلَى عَهْدِ أَنَسٍ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هَذَا يُصِيبُكُمْ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَعَاذَ اللهِ إِنْ كَانَتِ الرِّيْحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ إِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ تَكُوْنَ الْقِيَامَةُ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: نضر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے پوچھا کہ اے ابو حمزہ! کیا ایسی کالی اور اندھیری آندھیاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابو داؤد)

۲۳) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْأُسَيِّدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ أَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا تَقُوْلُ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ فَوَاللهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ ذَالِكَ فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت حنظلہ بن الربیعؓ سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابو بکرؓ ملے اور انہوں نے پوچھا حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے، انہوں نے فرمایا پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا، بات یہ ہے کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ہمارا ایسا حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں، اور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابو بکرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اسکے بعد میں اور ابو بکرؓ دونوں چلے گئے، اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر

کی جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں، کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے لئے ثابت رہیں، اور ہم کو ان کا صلہ عطا کیا جائے، اور جو عمل ہم نے آپ کے بعد کئے اُن سے ہم برابر سرابر چھٹی پا جائیں۔ (ابو بردہ کہتے ہیں، کہ) میں نے عبداللہ ابن عمرؓ سے کہا کہ خدا کی قسم! تمہارے والد (حضرت عمرؓ) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی امید کیجاتی ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیساتھ امید رکھتے تھے، کہ رسول اللہ ﷺ کیساتھ جو اعمال خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آنحضرت ﷺ کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی ان شاء اللہ قبول ہو گئے، لیکن جو اعمال حضور ﷺ کے بعد کئے گئے، چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے اسلئے حضرت عمرؓ عام اہل معرفت کی طرح ان کے انجام سے ڈرتے تھے، اور اپنی سلامتی و کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سرابر پر چھٹی مل جائے، نہ ان پر عذاب ہو نہ ثواب۔

طاعت ناقص ما موجب غفران نشود ... راضیم گر عمل ما عصیاں نشود

حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ابو بردہ نے کہا کہ خدا کی قسم میرے والد سے تمہارے والد افضل تھے بظاہر اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ چونکہ حضرت عمرؓ افضل تھے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر ان پر اس قدر زیادہ تھا۔
صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے واقعہ وفات کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ لو ان لی طلاع الارض ذهبا لافتدیت به من عذاب اللہ قبل ان اراہ (اللہ کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو، تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے پہلے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں، اور اپنی جان چھڑا لوں)۔

اللہ اکبر! یہ تھا ان بندوں پر خوف خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے لئے جنت کی بشارتیں سنی ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے "قربیاں را بیش بود حیرانی" اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیا کی تحقیر اور مذمت

دنیا کے سلسلہ کی جو حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی تحقیر اور مذمت کی ہے، اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے۔ چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق اور شغف و انہماک حد سے بڑھ گیا ہے، اور خاص کر دنیوی اور مادی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہو گا، اسلئے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی تحقیر اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اترتی، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف [illegible] کہہ دیتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں، تو منکرین حدیث کی طرح ان

حدیثوں ہی کے بارہ میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اسلئے اس سلسلہ کی حدیثیں درج کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید، ایمانی مسلمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اس مسئلہ پر کچھ اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

دنیا اور آخرت

(۱) یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گذار رہے ہیں، اور جس کو اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں، جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالم آخرت میں پہنچ کر جنت، دوزخ کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے۔ الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے، اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجانے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے، ہمارا اس پر ایمان ہے اور نقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں الحمد للہ پورا وثوق اور اطمینان ہے۔

(۲) پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، بخلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوامی زندگی عطا فرمادی جائے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ"[۱]۔ اور اسی طرح جن اشقیا کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر ہوگا، انکی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں جابجا فرمایا گیا ہے: "خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا"[۲] اور "وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ"[۳] اور "لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا"[۴]

---

[۱] وہ عطاء خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲

[۲] وہ ہمیشہ اسی جہنم میں پڑے رہیں گے ۱۲

[۳] وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۱۲

[۴] اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مر کر ہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اور ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔ ۱۲

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانعام ۶: ۳۲)

اور دنیا کی زندگانی کی حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں (افسوس تم پر!) کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں؟

کہیں اور ارشاد ہے:

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ○ (المؤمن ۴۰: ۳۹)

یہ دنیوی زندگانی (اور یہاں کا سازوسامان) تو بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔

کہیں فرمایا گیا:

وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ (الحدید ۵۷: ۲۰)

اور آخرت میں (مجرموں اور باغیوں کے لئے) سخت ترین عذاب ہے، اور (جو بندے رضا اور مغفرت کے لائق ہیں) اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور رضا ہے۔ اور دنیوی زندگانی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے۔

(۶) الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو فلاح و بہبود کے مقام تک پہنچانے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے، اور اس سے زیادہ دل نہ لگائے، اور اس کو اپنا مقصد و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دائمی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کی جو قدر و قیمت اور جو اہمیت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اس کے دل کا رُخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور "اَللّٰهُمَّ ❶ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ" اس کے دل اور اس کی روح کی صدا ہو۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لانیوالوں کے دلوں پر اپنے عمل اور حال سے بھی اسی کا نقش کرتے تھے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی، جن میں دنیا کی تحقیر اور مذمت کی گئی ہے، ان کا مطلب

---

❶ اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ ۱۲

مقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۵) یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن و حدیث میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکر آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا ہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں!

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت

(۲۵) عَنْ مُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ وَاللهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ (رواه مسلم)

ترجمہ: روایت ہے مستورد بن شداد سے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی۔ اور در اصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی ہے، اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے، اور ریاضی کا مسلم مسئلہ ہے کہ محدود و متناہی اور لامحدود و لامتناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی، جب حقیقت یہ ہے، تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بڑے ہی گھاٹے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کیلئے خوب جد و جہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پرواہ ہے۔

(۲۶) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ، قَالَ فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر بکری کے ایک بوچے[1] مردہ بچے پر ہوا جو راستے میں مرا پڑا تھا، اس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے ان سے آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردار بچہ ہے۔ (صحیح مسلم)

---

[1] یہ حدیث کے لفظ اسک کا ترجمہ ہے، یعنی بن کانوں کا، خواہ خلقی طور پر اسکے کان نہ ہوں، یا بہت چھوٹے ہیں یا کٹے ہوئے ہوں ان تینوں صورتوں کیلئے اسک کا لفظ بولا جاتا ہے، اور اردو میں ان ہی معنی کیلئے بوچا استعمال ہوتا ہے۔ ۱۲

تشریح: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے ایک مردار بچے پر آپ کی نظر پڑتی ہے، گھن سے منہ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اس کی اس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں، اور ان کو بتلاتے ہیں کہ یہ مردار بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے۔ اس لئے اپنی طلب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ، بلکہ آخرت کے طالب بنو۔

۳۷) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقَى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً .** (رواه احمد والترمذي وابن ماجه)

ترجمہ: سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی، تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

تشریح: یعنی خدا و رسول کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے، (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ہے، وہاں کسی دشمن خدا کو جنت کے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت

۳۸) **عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ .** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

تشریح: قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھا لیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ چار و ناچار ہر معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اسکو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے۔ اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کیلئے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گذارے گا، اور اس کی ہر

خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی، نیز لاکھوں برس گذرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں اکتائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (الزخرف ۴۳: ۷۱)

جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے دل چاہیں، اور جسکے نظارہ سے تمہاری آنکھوں کو لذت و سرور حاصل ہو، اور تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔

اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا:

لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا جنتی جنت سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گذاریں، اور دنیا سے دل نہ لگائیں، اور حقیقت پیش نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگانا، اور اسکے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلب بنانا کافرانہ طریقہ ہے، الغرض یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے، جس میں ہر مومن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مومن ہے، اور اگر اس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلب بنا لیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

دنیا فانی ہے اور آخرت باقی، اس لئے آخرت ہی مطلوب ہو

۲۹) **عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهِ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَآثِرُوا مَا يَبْقَى عَلَى مَا يَفْنَى** (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا، اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، پس (جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ) فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔

تشریح: ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اصل فکر و سعی دنیا ہی کے واسطے ہوگی اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پس پشت ڈال دے گا، یا اسکے لئے بہت کم جدوجہد کرے گا، جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔

اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنائے گا، اس کی اصلی سعی و کوشش آخرت کے لئے ہوگی اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جدوجہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا زیادہ نہ سمیٹ

سکے گا، پس صاحبِ ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جانے والی ہے۔

اللہ سے تعلق کے بغیر دنیا لعنتی ہے

(۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس پر خدا کی پھٹکار ہے، اور اس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور ان چیزوں کے، جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلم کے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مردار ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اس کے لئے کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اس سے تعلق ہے، خاص کر علم دین کے معلمین اور متعلمین سو ان پر اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، لیکن جو چیزیں اور جو اعمال و اشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا انہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور اور محروم اور قابلِ لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اسکے تعلق سے، اور دین کے علم اور اسکے تعلم سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی مستحق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

طالبِ دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا

(۳۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلْ مِنْ اَحَدٍ یَمْشِیْ عَلَی الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاهُ؟ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ کَذٰلِکَ صَاحِبُ الدُّنْیَا لَا یَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے، اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا حضرتؐ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا اسی طرح دنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

تشریح: صاحب الدنیا (دنیادار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اس میں لگے، ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو، اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیادار نہ

ہوگا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ یہ مضمون بعض حدیثوں میں آگے صراحت سے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے

۳۱) عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَاءَ. (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: قتادہ بن نعمان سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہو)۔

تشریح: جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے دنیا در اصل وہی ہے جو اللہ سے غافل کرے، اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ کھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے ان کو نوازنا چاہتا ہے، ان کو اس مردار دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو سرائے سمجھو

۳۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تو پردیسی ہے یا راستہ چلتا مسافر۔

تشریح: یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گذر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مومن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہ گذر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس دنیوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے، کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اسی دنیا میں ہے۔ جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کرلی، ان کی زندگی اور ان کی سیرت اسی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ان کی منشاء کے مطابق ہوگئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کرسکے، ان کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد

پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

دنیا اور آخرت پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

۳۴) **عَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهِ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَاْكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَيَقْضِيْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهُ بِحَذَافِيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهُ بِحَذَافِيْرِهِ فِي النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِنَ اللهِ عَلٰى حَذَرٍ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُعْرَضُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ۔** (رواه الشافعي)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ: سن لو، اور یاد رکھو کہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقررہ وقت پر آنے والی ایک سچی اٹل حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشگواری اور اس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں، اور سارا شر اور دکھ اس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار، خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی، وہ اس کو بھی دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی، وہ اس کو بھی پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

تشریح: انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور سیکڑوں قسم کی بدکاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گذارے، اور اپنی نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنالے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ ان کے سامنے دنیا کی بے حقیقتی اور بے ثباتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے، اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا یقین ان کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ حضور کے اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

تنبیہ: یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ، جس طرح اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت کم ہو گیا ہے، گویا نہیں رہا

ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے جس قسم کی باتیں مادّی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کی جاتی ہیں۔

(دنیا سے دلچسپی، آخرت سے غفلت)

٣٥) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي الْهَوَى وَطُوْلُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهَوَى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُوْلُ الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ وَهٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْآخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُوْنَ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَإِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِي دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَأَنْتُمْ غَدًا فِي دَارِ الْآخِرَةِ وَلَا عَمَلَ.

(رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں ان میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہویٰ اور طولِ امل ہے (ہویٰ سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے اور طولِ امل یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارہ میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی) کہ ہویٰ تو آدمی کو قبولِ حق سے مانع ہوتی ہے (کیونکہ اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبولِ حق اور اتباعِ ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طولِ امل (یعنی لمبی لمبی آرزوؤں میں دل پھنس جانا) آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اس کی فکر اور اس کے لیے تیاری سے غافل کر دیتا ہے (اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا مسلسل چلی جا رہی ہے، گزر رہی ہے (یعنی اس کو بقا اور قیام نہیں) اور آخرت (ادھر سے) چل پڑی ہے، چلی آ رہی ہے اور ان دونوں کے بیٹے ہیں (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بجائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے اس کے بیٹے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دار العمل سمجھو) تم اس وقت دار العمل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کر کے) آخرت میں پہنچ جانے والے ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہو گا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہو گا، اور ہر شخص اپنے کیے کا بدلہ پائے گا)۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں امت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطرہ ظاہر فرمایا ہے، اور امت کو ان سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے، ایک ہویٰ اور دوسرے طولِ امل۔ غور سے دیکھا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہی دو بیماریوں نے امت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے، جن لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گمراہیاں ہیں، وہ ہویٰ کے مریض ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طولِ امل اور

حب دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں، اور علاج یہی ہے جو حضور ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا، یعنی اُن کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصلی مقام ہے۔ جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دولت کی افراط کا خطرہ، اور رسول اللہ ﷺ کی آگاہی

۳۶) **عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ۔** (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر ضرور ہے کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اس کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے، جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ تھا کہ جب ان کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے، اور اصل مقصدِ زندگی کو بھلا دیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا۔ اس حدیث میں آپ نے ازراہِ شفقت امت کو اسی خطرے سے آگاہ کیا ہے، اور فرمایا ہے، کہ تم پر فقر و ناداری کے آنے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آ جانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔

آپ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس خوشنما فتنہ کی خطرناکی سے امت کو خبردار کرنا ہے، تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے برے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے

۳۷) **عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَ فِتْنَةُ اُمَّتِى الْمَالُ۔** (رواه الترمذي)

ترجمہ: کعب بن عیاضؓ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر امت کیلئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی کہ وہی اس امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ ہوگا۔ (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ عہد نبوی سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اُسے صاف محسوس ہوگا، کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جارہی ہے، اور بلاشبہ یہی اس کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کردیا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

حب مال اور حب جاہ دین کیلئے تباہ کن ہیں

۳۸) **عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَاذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِأَفْسَدَلَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهِ۔** (رواہ الترمذی والدارمی)

ترجمہ کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ دو دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے گئے ہوں، ان بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کرسکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزت وجاہ کی حرص کرتی ہے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ حب مال اور حب جاہ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چھوڑے ہوئے بھوکے بھیڑیے ان بکریوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مال کی اور زیادہ عمر کی حرص بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے

۳۹) **عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ فِيْهِ اثْنَتَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ۔** (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اسکی ساری قوتیں مضمحل ہو کر کمزور پڑجاتی ہیں) مگر اسکے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقتور ہوتی رہتی ہیں، ایک دولت کی حرص، اور دوسری زیادتی عمر کی حرص۔

تشریح تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے، کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی مضرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا عقل کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بیچاری یہ عقل بھی مضمحل اور کمزور پڑجاتی ہے، تو ان

خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں پختگی کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے، کہنے والے نے صحیح کہا ہے۔

بچپن خوئے بد محکم شدہ قوت برکندن آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِی اِثْنَتَيْنِ فِی حُبِّ الدُّنْيَا وَ طُوْلِ الْاَمَلِ. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے، ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی لمبی تمنائیں۔

تشریح: جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے لیکن جن بندگانِ خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم و یقین نصیب ہو، اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بجائے حبِ دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضاء الٰہی اور نعمائے اخروی کا اشتیاق اور اس کی تمنا بڑھاپے میں بھی ان کے دل میں بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر اگلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

دولت میں اضافے کی حرص کی حد بس قبر ہے

(۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں، تو وہ تیسرا اور چاہے گا، اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دولت کی اس نہ ختم ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جا کر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کرے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے، اگر دولت سے ان کا گھر بھی بھرا ہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں، تب بھی ان کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں، اور زندگی کی آخری سانس تک ان کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قبر ہی میں جا کر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے ان کو چھٹکارا ملتا ہے۔ البتہ جو بندے دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رخ اللہ کی طرف کر لیں، اور اس سے تعلق جوڑ لیں،

ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور ان کو اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں اطمینان قلب اور غنائے نفس نصیب فرما دیتا ہے، اور پھر اس دنیا میں بھی ان کی زندگی بڑے عزت کی اور بڑے سکون سے گزرتی ہے۔

طالبِ آخرت کو قلبی اطمینان رہتا ہے، اور طالبِ دنیا کا دل پراگندہ اور غیر مطمئن

(۴۲) عن انس ان النبی ﷺ قال من کانت نیتہ طلب الاخرۃ جعل اللہ غناہ فی قلبہ وجمع لہ شملہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ ومن کانت نیتہ طلب الدنیا جعل اللہ الفقر بین عینیہ وشتت علیہ امرہ ولا یاتیہ منھا الا ما کتب لہ (رواہ الترمذی ورواہ احمد والدارمی عن ابان عن زید بن ثابت)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نیت اور اس کا مقصد اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان، اور مخلوق کی ناحتاجی کی کیفیت) اس کے دل کو نصیب فرما دیں گے، اور اس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیں گے، اور دنیا اس کے پاس خود ذلیل ہو کر آتی ہی۔ اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا اصل مقصد دنیا طلب کرنا ہو گا اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اس کی بیچ پیشانی میں اس کے چہرے پر پیدا کر دیں گے، اور اس کے حال کو پراگندہ کر دیں گے (جس کی وجہ سے اس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تگ و دو کے بعد بھی) یہ دنیا اس کو بس اتنی ہی ملے گی جس قدر اس کے واسطے پہلے سے مقدر ہو چکی ہوگی۔ (اس حدیث کو حضرت انسؓ سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث کو ابان کی روایت سے حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے روایت کیا ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت ہی کی فلاح کو اپنا اصل مطلوب و مقصود بنا لیتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بارے میں اس کو قناعت نصیب فرما کر اس کے دل کو طمانیت اور جمعیت خاطر نصیب فرما دی جاتی ہے، اور دنیا میں سے جو کچھ اس کے لئے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستے سے خود اس کے پاس آ جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشان حالی اس پر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کے چہرے پر اور اس کی بیچ پیشانی میں اس کے آثار نظر آتے ہیں، اور دنیا کی طلب میں خون پسینہ ایک کر دینے کے بعد بھی اس طالبِ دنیا کو بس وہی ملتا ہے جو پہلے ہی سے اس کے لئے مقدر ہے۔ پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے، اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اس کی طرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی فکر ہونی چاہئے۔

دولت میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے؟

(۴۳) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ یقول العبد مالی مالی وان مالہ من مالہ ثلٰث ما

اَكَلَ فَاَفْنٰى اَوْلَبِسَ فَاَبْلٰى اَوْ اَعْطٰى فَاَقْتَنٰى وَمَا سِوٰى ذَالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اُس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے، وہ بس تین مدیں ہیں، ایک وہ جو اس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پرانا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اس نے راہِ خدا میں دیا اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب وہ دوسرے لوگوں کے لئے اس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کمائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے واقعہ اور حقیقۃً اس کا بس وہی ہے جو اس نے کھانے پہننے کی ضروریات میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، یا راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ در حقیقت اس کا نہیں ہے، بلکہ ان وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالِ وَارِثِهِ قَالَ فَاِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهِ مَا اَخَّرَ۔

(رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ (یعنی اپنے ہاتھ میں مال رہنے سے زیادہ محبوب جس کو اپنے وارثوں کے ہاتھ میں مال آنا ہو؟) لوگوں نے عرض کیا ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اس کو نہ ملے بلکہ اس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اس نے آگے چلتا کر دیا، اور جس قدر اس نے بعد کے لئے رکھا وہ اس کا نہیں ہے، بلکہ اس کے وارثوں کا ہے۔ (لہٰذا دانش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کیلئے چھوڑنے سے زیادہ فکر اپنی آخرت کیلئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ جنت جنت کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صرف بھی کرتا رہے)۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهٖ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْ اٰدَمَ مَا خَلَّفَ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمالِ خیر کئے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے

کتنا مال چھوڑا؟

دولت کے بندے خدا کی رحمت سے محروم

۴۶) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دور رہے۔

تشریح: جو لوگ مال و دولت اور دینار و درہم کے پرستار ہیں، اور انہوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مطلوب بنالیا ہے اس حدیث میں اُن سے بیزاری کا اعلان اور اُن کے حق میں بددعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دور ہیں۔

مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد: مجھے تجارت اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

۴۷) **عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَاَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ.** (رواہ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق ارسال[1] رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں، اور تجارت و سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں۔ بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہو، اور ہو جاؤ اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے اور کئے جاؤ بندگی اپنے پروردگار کی، موت آنے تک۔

تشریح: جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت وغیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود ان تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری اور راستبازی اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے لینا تھا، اس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور

---

[1] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث ان کو پہنچی ہوتی ہے ان کا ذکر نہیں کرتے، ایسی حدیث مرسل کہلاتی ہے، اور تابعی کے اس طرح حدیث بیان کرنے کو ارسال کہتے ہیں۔ ۱۲

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اس فکر سے فارغ بھی فرما دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو ان ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔

آپ کے اُمتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خاص متوکلانہ طرز زندگی کو اپنے لئے پسند کریں، اور اس راستے کے شدائد و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت ان کو میسر ہو، تو ان کیلئے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جنکا یہ حال نہ ہو، ان کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش اور آپ ﷺ کی فقر پسندی

٤٨) **عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّي لِيَجْعَلَ لِي بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ وَلٰكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَإِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ.** (رواه احمد والترمذى)

ترجمہ: ابو امامہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے وہ مکہ کی وادی کو (یا اس کے سنگریزوں کو) سونا بنا دے، اور سونے سے بھر دے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ اگر تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکتے ہیں) تو میں نے عرض کیا میرے پروردگار! میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں (ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں کہ) ایک دن پیٹ بھر کھاؤں، اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں، آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ و زاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے مجھے کھانا ملے اور میرا پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فقر و فاقہ کی جس حالت میں زندگی گزاری، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے اس کو خود مانگا تھا۔ (آپ کی معیشت سے متعلق حدیثیں عنقریب ہی مستقل عنوان کے تحت درج کی جائیں گی)۔

سب سے زیادہ قابل رشک بندہ

٤٩) **عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ أَغْبَطُ أَوْلِيَائِي عِنْدِي لَمُؤْمِنٌ خَفِيفُ الْحَاذِ ذُو حَظٍّ مِنَ الصَّلٰوةِ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَأَطَاعَهُ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهِ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهُ قَلَّتْ بَوَاكِيهِ قَلَّ تُرَاثُهُ.** (رواه احمد والترمذى وابن ماجه)

ترجمہ: ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے، جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز اس کا بڑا حصہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفتِ احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو، اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اس کی روزی بھی بقدرِ کفاف ہو، اور وہ اس پر صابر و قانع ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کیلئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اس کو موت، اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں، اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے اوان و احوال مختلف ہیں، لیکن ان میں بہت زیادہ قابلِ رشک زندگی ان اہلِ ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، مگر نماز اور عبادات میں ان کا خاص حصہ اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی ان کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں، اور ان کی روزی بس بقدرِ کفاف، لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع۔ جب موت کا وقت آیا تو ایک دم رخصت ہو گئے، پیچھے نہ مال و دولت، اور نہ جائداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ ان پر رونے والیاں۔

بلاشبہ بڑی قابلِ رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور افسوس کہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

(۵) عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِأَبِي الدَّرْدَاءِ مَالَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَأُحِبُّ أَنْ أَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی ام الدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالدرداءؓ سے کہا کہ کیا بات ہے، تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی ہے، اس کو گراں بار، زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے۔ اسلئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی کو عبور کرنے کیلئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

تشریح رسول اللہ ﷺ کے اخیر دور حیات میں، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال آتے تھے، اور طالبین اور اہل حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور ان کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ ملتا تھا، جس سے ان کا گذارہ آسان ہو جاتا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرامؓ اس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، ان ہی میں سے حضرت ابوالدرداءؓ بھی تھے، وہ آخرت کے حساب اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے امن اسی میں سمجھتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے، اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتایا تھا کہ آخرت کی دشوار گذار گھاٹیوں کو وہی لوگ آسانی سے عبور کر سکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لادلیں گے، وہ آسانی سے ان گھاٹیوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِثْنَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ آدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو چیزیں ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کیلئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔

تشریح واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے، اور ان سے بچنا چاہتا ہے حالانکہ موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، اور مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہو گا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو، تو اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مؤمن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود پاک دامن ہو (یعنی ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

تشریح بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی محرمات و مشتبہات سے اپنی حفاظت کرے اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگانِ خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ ﷺ کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے محبوب ﷺ والی، جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی ان کیلئے سامانِ راحت و لذت بن جائیں۔

اپنی بھوک اور حاجتمندی کو لوگوں سے چھپانے والے کیلئے اللہ کا وعدہ

۵۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ جَاعَ اَوْ اِحْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِّنْ حَلَالٍ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھوکا ہو یا اس کو کوئی اور خاص حاجت ہو اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی ان کے سامنے ظاہر کر کے ان سے سوال نہ کرے) تو اللہ عزوجل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔ (شعب الایمان)

تشریح اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمایا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اسکی شانِ کریمی پر دل کے پورے یقین کیساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاءاللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

زہد اور اسکے ثمرات و برکات

زہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کیلئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی امت کو زہد کی بڑی ترغیب دی ہے، اور اس کے بہت سے دنیوی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

زہد اختیار کرو، اللہ کے اور بندوں کے محبوب بن جاؤ گے

۵۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا اَنَا عَمِلْتُهُ اَحَبَّنِيَ اللهُ وَاَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِى الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ.

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا

یا رسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتا دیجئے کہ جب میں اس کو کروں، تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے، اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رغبتی اختیار کر لو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بے رغبتی اختیار کر لو، تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی محبت اور چاہت ہی آدمی سے وہ سارے کام کراتی ہے، جن کی وجہ سے وہ خدا کی محبت کے لائق نہیں رہتا، اسلئے اللہ کی محبت حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ دنیا کی چاہت اور رغبت دل میں نہ رہے۔ جب دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی، تو دل اللہ کی محبت کے لئے فارغ ہو جائے گا، اور پھر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایسی خالص ہونے لگے گی کہ وہ بندہ اللہ کو محبوب اور پیارا ہو جائے گا۔

اس طرح جب کسی بندہ کے متعلق عام طور سے لوگ یہ جان لیں کہ یہ ہماری کسی چیز میں حصہ نہیں چاہتا، نہ یہ مال کا طالب ہے، نہ کسی عہدہ اور منصب کا، تو پھر لوگوں کا اس سے محبت کرنا گویا انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔

فائدہ زہد کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ جس شخص کیلئے دنیا کی لذتیں اور راحتیں حاصل کرنے کے مواقع ہی نہ ہوں، اور اس مجبوری کی وجہ سے وہ دنیا میں عیش نہ کرتا ہو، وہ زاہد نہیں ہے، زاہد وہ ہے جس کیلئے دنیا کے عیش و تنعم کے پورے مواقع موجود ہوں، مگر اسکے باوجود وہ اس سے دل نہ لگائے اور متقشفین کی سی زندگی نہ گذارے۔ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو زاہد کہہ کے پکارا، انہوں نے فرمایا کہ زاہد تو عمر بن عبدالعزیزؒ تھے، کہ خلیفہ وقت ہونے کی وجہ سے دنیا ان کے قدموں میں تھی، لیکن انہوں نے اس سے حصہ نہیں لیا۔

زاہدوں کی صحبت میں رہا کرو

(۵۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَ اَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطٰى زُهْدًا فِى الدُّنْيَا وَ قِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو خلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اس کو زہد یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی و بے رغبتی اور کم سخنی (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو اس کے پاس اور اس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القا ہوتا ہے۔

حکمت کے القا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اس لئے اس کی صحبت کیمیا اثر ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حکمت

کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

جس کو حکمت عطا کی جائے اس کو خیر کثیر عطا کیا گیا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو تحفہ عطا

۵۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ وَ أَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهُ وَ بَصَّرَهُ عَيْبَ الدُّنْيَا وَ دَاءَهَا وَ أَخْرَجَهُ مِنْهَا سَالِمًا إِلَى دَارِ السَّلَامِ۔ (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے، اور اس کی خوش عیشی و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رخی اختیار کرلے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو اگائے گا، اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کردے گا، اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر ان کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھا دے گا، اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ جو شخص زہد اختیار کرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القاء کی جاتی ہے، حضرت ابوذر غفاری کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی، اس حدیث میں

أَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِي قَلْبِهِ

اللہ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے

کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا تحفہ عطا یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشوونما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے عیوب و امراض گویا ان کو آنکھوں سے دکھا دیے جاتے ہیں، اور ان کے علاج معالجہ میں بھی ان کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے۔ اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھاتا ہے اور وہ اس فانی دنیا سے نکل کر جاودانی عالم میں یعنی دار السلام جنت میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گذارتے

۵۷) **عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ اِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ۔** (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ معاذ آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

تشریح: دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گذارنا اگرچہ حرام اور ناجائز نہیں ہے لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں متقشفانہ زندگی اختیار کریں۔ اللهم لا عيش الا عيش الآخرة

جب کسی بندہ کو شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے تو اس کی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر نمایاں ہو جاتی ہے

۵۸) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ"۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِيْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ۔** (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اپنی راہ پر لگائے اور اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب فرمائے، تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے یعنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کیلئے اس کا دل کھول دیا جاتا ہے) یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد اس کی تفصیل اور تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: نور جب سینہ میں آتا ہے تو سینہ اس کی وجہ سے کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا اس حالت کی کوئی علامت بھی ہے جس سے اس کو پہچانا جا سکے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! دنیا جو دھوکے فریب کی جگہ ہے اس سے طبیعت کا ہٹ جانا اور اچاٹ ہو جانا (یعنی توبہ و استغفار، اور معاصی سے اجتناب اور عبادت کی کثرت کے ذریعہ موت کی تیاری کرنا)۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو اپنی خاص عبدیت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک خاص نور اور جذبہ ربانی پیدا کر دیتا ہے، جس سے اس کا سینہ عبدیت والی زندگی کیلئے کھل جاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں دنیا سے بے رغبتی و بے دلی اور آخرت کی فکر، اور اللہ تعالیٰ کی لقا اور جنت کا شوق اور اس کی تیاری یہ سارے حالات اس کی زندگی میں ابھر جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ اس بات کو جانا جا سکتا

تکلیف نہ پہنچنے کے مقابلے میں میرے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کا یہ حال جب ہی
ہو سکتا ہے جبکہ اس کو عیشِ دنیا کے مقابلے میں عیشِ آخرت کی زیادہ فکر ہو۔ اور یہی زہد کی اصل واساس ہے۔

اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور
مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اسی کی دعا کرنی چاہئے! دوسری حدیثوں میں اس سے صریح ممانعت آئی ہے
اور صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور
خیریت ہی کی دعا اور استدعا کیا کرو (سلوا الله العافية) اور خود آپ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، بس حضرت
ابوذرؓ کی مندرجہ بالا حدیث کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس دنیا میں مصائب اور تکالیف کی دعا یا تمنا
کرے، بلکہ اس کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف بندہ کو پہنچ جائے
تو پھر مومن کا مقام اور زہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو اجر و ثواب آخرت میں ملنے والا ہے وہ اس
کو اس کے نہ پہنچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو۔ ان دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

زہدِ نبوی ﷺ

اپنے اور اپنے متعلقین کیلئے رسول اللہ ﷺ کی فقر پسندی

(۶۱) **عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ۔** (رواه الترمذي والبيهقي في شعب الايمان ورواه ابن ماجه عن ابي سعيد)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکین کی
حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ (جامع
ترمذی، شعب الایمان للبیہقی اور ابن ماجہ نے اس کو ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے)

تشریح: ابھی چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ
پیشکش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے تو آپ نے عرض
کیا نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو، اور ایک دن
کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا اور یہی آپ کی حقیقت شناس
مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام و منصب تھا، اور جو کار عظیم
آپ سے متعلق تھا اس کے لئے یہ فقر و مسکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ
قناعت و طمانیت اور رضا و تسلیم نصیب فرمائے تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطۂ نظر
سے بہ نسبت دولتمندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

(۶۲) **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ**

اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَّ فِیْ رِوَایَةٍ كَفَافًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! محمد کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفاف ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور متبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی ہیں، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے، قوت اور کفاف دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی اور پریشان حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیے جا سکیں اور دست سوال کسی کے سامنے پھیلانا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے۔ احادیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اسی طرح گذری ہے۔

حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دو دن بھی جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ حضور ﷺ اس دنیا سے اٹھا لئے گئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو، اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

(۶۴) عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ۔

(رواہ البخاری)

ترجمہ: سعید مقبری حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے) اور ان کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، ان لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لئے اس کھانے میں کیا مزہ ہے، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ) رسول اللہ ﷺ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی آپ نے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

(٦٥) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَ يَوْمٍ وَمَا لِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُوْ كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيْهِ إِبْطُ بِلَالٍ۔ (رواه الترمذي)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گذرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھاتا ہے بجز اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

رسول اللہ نے امت کو تسلی دینے کے لئے آپ بیتی سنائی کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہنچانے کے سلسلے میں مجھے ایسی ایسی سختیوں سے گذرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اور جب میں نے ان کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا، تو ان ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گذرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینے کے تیس دن رات اس حالت میں گذر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دبا رکھا تھا، پورے مہینے مجھے اور بلال کو اسی پر گذارہ کرنا پڑا۔

(٦٦) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ أُخْتِيْ إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِيْ شَهْرَيْنِ وَمَا أُوْقِدَتْ فِيْ أَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ مَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ قَالَتْ الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيْرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوْا يَمْنَحُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْقِيْنَا۔

(رواه البخاري ومسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہؓ سے فرمایا میرے بھانجے! ہم (اہل بیت نبوت اس طرح گذارہ کرتے تھے کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گذر جاتے تھے) اور حضور کے گھروں میں چولہا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا بس کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) البتہ رسول اللہ کے بعض انصاری پڑوسی تھے ان کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے، وہ

آپ کے لئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور اس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حضور کے گھر والوں پر دو دو مہینے ایسے گزر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج، بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چولہا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضور کے لئے دودھ آ گیا، تو وہ بیویوں میں پہنچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!

آپ ﷺ اور آپ کے گھر والوں کے معیشت کی تنگی

(۶۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهُ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَاِنَّمَا كَانَ عَشَاءُ هُمْ خُبْزُ الشَّعِيْرِ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کی بہت سی راتیں پے بہ پے اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو ان کے رات کا کھانا عام طور سے جَو کی روٹی ہوتی تھی۔

جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی

(۶۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ نے ایسے حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جَو قریب ڈھائی من کے ہوئے۔ حدیث کا مقصد اور منشاء یہ ہے کہ حضور کی حیات مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گذارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی جنگی زرہ رہن رکھ کر آپ نے صرف ۳۰ صاع جَو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جا سکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم

فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِىْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں، اور اس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں، اور اس لئے) ان کی دولت تیں (جو اللہ ان کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں ان کو دے دی گئی ہیں اور ایک روایت میں حضور کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے، کہ آپ نے فرمایا اے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ ان کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور ہمارے لئے آخرت کا عیش۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرمادے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جائیں اور چونکہ حضور ﷺ کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اس لئے عرض یہ کیا کہ حضور اپنی امت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی امت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس گذارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ اے فرزند خطاب کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بے چاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں ان کے عیش و آرام اور ان کی دولت مندی کو دیکھ کر اس پر للچانا اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہئے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام۔

میں اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہوں جو سایہ کیلئے
کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو

(۷۰) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِىْ**

[illegible]

عن سعد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله يحب العبد التقي الغني الخفي۔

[illegible]

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من طلب الدنيا حلالا استعفافا

عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَ سَعْيًا عَلٰى اَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِىَ اللّٰهَ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِيًا لَقِىَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان و ابو نعيم في الحلية)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے، تاکہ اس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہوگا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا۔ اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے، اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھا سکے، اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کیلئے، وہ دولت خرچ کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہوگا۔

(شعب الایمان بیہقی و حلیہ ابو نعیم)

تشریح معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا، تو اس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و کرم ہوگا، جس کے نتیجہ میں اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہوگا۔ لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے بڑے بڑے کام کرنا ہو، تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۷۴) عَنْ اَبِىْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِىِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَاُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا فَاحْفَظُوْهُ فَاَمَّا الَّذِىْ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ فَاِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِىْ اُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْيَا لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَ عِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِىْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَ يَصِلُ رَحِمَهٗ وَ يَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيْهِ بِحَقِّهٖ فَهٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِىْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَاَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِىْ مَالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِىْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَلَا يَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِىْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ — (رواه الترمذي)

مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گذار رہے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں اُن پر انڈیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رسی دراز کر رہا ہے، اور ان کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

کافروں، فاجروں کی خوش حالی پر رشک نہ کیا جائے

(۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا یَمُوْتُ یَعْنِی النَّارَ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں۔ (اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبداللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کا مطلب اس قاتل سے دوزخ کی آگ ہے، (یعنی وہ بے چارہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا تو بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنۃ)

تشریح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکوکار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہے، تو شیطان اسکے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے، اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک سی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بداعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوامی زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں اُن کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہئے، ان بے چاروں، کم بختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو بِتا پڑنے والی ہے، اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آنے لگی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو وہ چار دن پہلے سے خاص سہولتیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے ان حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوشحالی

اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اسلئے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو ایمان نصیب فرمایا اور ان بیچاروں کے برے حال اور برے انجام سے بچا لیا ہے۔

اس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہل دنیا کو دیکھ کر بے اختیار ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ عَافَانِىْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِىْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا

ساری حمد و ستائش اس اللہ کیلئے ہے، جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں اے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اس نے مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی

کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اس کو حقیر نہ سمجھو

۷۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٍ مَا رَأْيُكَ فِىْ هٰذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَشْرَافِ النَّاسِ هٰذَا وَاللهِ حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ يُّنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ يُّشَفَّعَ، قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِىْ هٰذَا؟ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ، هٰذَا حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَا يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَا يُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِّلْءِ الْاَرْضِ مِثْلَ هٰذَا.

(رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو ظاہری دولت مند اور معززین میں سے تھا) رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزرا، تو آپ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اس وقت بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ اس گزرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے، اور نکاح کر دیا جائے، اور اگر کسی معاملے میں سفارش کرے تو اسکی سفارش ضرور قبول کی جائے۔ سہل بن سعد کہتے ہیں کہ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا، پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور اللہ کا بندہ گزرا، آپ نے ان ہی صاحب سے پھر پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بیچارہ نادار اور مسکین مسلمانوں میں سے ہے یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیغام دے تو اسکے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اور اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اسکی سفارش نہ قبول کی جائے، اور کوئی بات کہنا چاہے تو اسکی بات بھی نہ سنی جائے۔ (ان کا یہ جواب سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے

والے اس آدمی کے مثل اگر زمین بھر بھی ہوں تو یہ آپ آیا ہوا تنہا مسکین ان سب سے بہتر ہے۔

تشریح انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ وہ دنیاوی دولت اور دنیا کی چیزوں ہی کو بڑا کمال بڑائی اور عزت اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں، اور اسی سے متاثر ہوتے ہیں اور اللہ کے جو بندے اس سے خالی ہوں (اگرچہ ان کے پاس ایمان اور حسن عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے ان بیچاروں کو حقیر و بے قیمت ہی سمجھتے ہیں، یہ حدیث دراصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے علاج کا ایک نسخہ ہے، بہت ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جو صاحب اس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپ اس گفتگو میں مخاطب رہے) ان میں بھی اس مرض کے کچھ جراثیم ہوں، اور آپ نے ان کی اصلاح کیلئے ہی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شارحین نے یہ بھی لکھا ہے، اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گزرنے والے مسلمان ہی تھے، البتہ پہلے جو گزرے وہ دنیوی دولت و وجاہت میں بڑھ کر تھے، اور دین کے لحاظ سے کمتر، اور بعد میں جو صاحب گزرے وہ دنیا کے لحاظ سے گرے ہوئے تھے، مگر دین اور تعلق باللہ میں برتر اور بلند تر، اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے جیسے اگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ساری دنیا ان سے بھر جائے تو بھی بعد میں گزرنے والا اللہ کا غریب و مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے۔ اللہ اکبر! دین اور تعلق باللہ کی عظمت و رفعت کا کیا کہنا!

۷۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے پراگندہ بالوں والے گرد و غبار میں اٹے ہوئے جن کو دروازوں پر سے دھکے دیئے جاتے ہیں (اللہ کے نزدیک ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں تو ان کی قسم کو اللہ ضرور پوری کر دے۔

تشریح اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو میلا کچیلا، خستہ حال، اور پراگندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں، جو اللہ کیلئے اپنے کو مٹا کر اس کے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ ایسا ہی کرے گا یا یہ نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور ایسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منشاء پراگندہ بالی اور گرد آلودگی اور میلا کچیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اس حال میں دیکھا کہ اس بارہ میں وہ تفریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے تو آپ نے انکو اس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ لوگ پراگندہ بال، میلے کچیلے اور گرد و غبار میں اَٹے ہوئے رہا کریں۔ بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا، حدیث کا مقصد و منشا اور اس کی روح یہی ہے، کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال اور گرد آلود دیکھ کر اس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے، کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصان خدا میں سے ہوتے ہیں۔ پس اس حدیث میں دراصل ان لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں، اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے انکے ساتھ ملنے جلنے اور انکے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں، اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ انکی برکت اور دعاؤں سے رزق ملتا ہے

(۷۹) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو (اللہ تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخشی تھیں، مثلاً شجاعت، سخاوت، فہم و فراست وغیرہ، ان کی وجہ سے ان کا) یہ خیال تھا کہ جو (غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں) ان سے کم ہیں، وہ ان کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے (ان کے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کی جو مدد ہوتی ہے، اور تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ (تمہاری صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتیں، بلکہ) تم میں جو بے چارے کمزور اور خستہ حال ہیں، ان کی برکت اور ان کی دعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

تشریح: حضرت سعد کا جو خیال تھا، چونکہ اس کی بنیاد ایک قسم کے کبر پر تھی، اس لئے اس کی اصلاح اور اس کے علاج کیلئے آنحضرت ﷺ نے ان کو بتلایا کہ تم جن مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو ان سے برتر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو، آج بھی ہم جیسے لکھے پڑھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دے رکھی ہیں، اور دین کی کسی خدمت کی توفیق مل رہی ہے، عموماً اسی قسم کے کبر میں مبتلا ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

ف اسی حدیث کی نسائی کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں اس طرح ہیں:

اِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضَعِيْفِهِمْ بِدَعْوَتِهِمْ وَ صَلٰوتِهِمْ وَ اِخْلَاصِهِمْ۔

ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ اور مطلب میں صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو

(۸۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ

عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی بناوٹ یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اس کو چاہئے کہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے جو ان چیزوں میں اس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص و طمع اور شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو)۔

تشریح: انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ چیزیں نہیں دیں۔ اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور ان کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں۔ انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

(۱۸۶) **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدَى بِهِ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا فَضَّلَهُ اللهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلَى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ دین کے معاملے میں تو اللہ کے ان بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور ان کی پیروی اختیار کرے، اور دنیا کے معاملے میں ان غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کمتر ہوں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ان بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجے کے لوگوں کو دیکھے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر رکھے اور جو دنیاوی نعمتیں ان کو ملی ہیں ان کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔

تشریح: شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں تو بس اس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا اور دین کی دولت بھرپور مل گئی۔ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنالے کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے ان اچھے

ترجمہ عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنی عذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے (اور حضور کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحابہ کرامؓ سے) فرمایا کہ ان نو مسلم مسافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں ان کے پاس رہنے لگے، اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اس لشکر میں چلے گئے، اور وہاں شہید ہو گئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا تو ایک دوسرے ساتھی اس میں چلے گئے، اور وہ بھی جا کر شہید ہو گئے، پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے ان کا انتقال بستر ہی پر ہو گیا۔ (حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں کہ طلحہ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں ان تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے، وہ سب سے آگے ہیں، اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور ان کے قریب ان کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے، اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس خواب اور اپنے اس شبہ اور خلجان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا: اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ) اللہ کے نزدیک اس مؤمن سے کوئی افضل نہیں جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔ (مسند احمد)

تشریح اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے تو ان دونوں حدیثوں میں ان جذباتی اور باتونی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گذارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان ان کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر، تلاوت وغیرہ اعمال خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقعہ اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ بعض اوقات تو ان اعمال خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ [illegible]

رسول اللہ ﷺ کی جامع اور اہم نصیحتیں اور وصیتیں

۸۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹادے گی، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

تشریح: تقوے کی اصل خدا کا خوف اور اس کے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر واحکام کی اطاعت کی جائے، اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے۔ لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کے تدارک کیلئے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی غلطی اور برائی ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کردے گا، اور مٹادے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ" (نیکیاں برائی کو ختم کر دیتی ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حسن اخلاق کا ہو۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکثیر حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاء الٰہی حاصل ہونے کیلئے بندوں کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

۸۶) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَکَلَّمْ بِکَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْہُ غَدًا وَاَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے اور مختصر فرمایئے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہئے تم ہر نماز ویسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جس کی جواب دہی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے اور

تیسری بات یہ یاد رکھو کہ (آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے دل کو مایوس کر لو (یعنی تمہاری امیدوں اور توجہ کا مرکز صرف رب العالمین ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی امیدوں کو بالکل منقطع کر لو)۔

۸۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ فَتَقْوَى اللهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالسُّخْطِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنَا وَالْفَقْرِ وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًى مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ وَهِيَ أَشَدُّهُنَّ۔ (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کر دینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں، ایک خدا کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے حق بات کہنا خوشی میں اور غصہ میں، اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور تنگدستی میں۔ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں (۱) وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور (۲) وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی انسان اس کے تقاضے پر چلا جائے) اور (۳) آدمی کی خود پسندی کی عادت، اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔

تشریح — رسول اللہ ﷺ کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے اور اسی طرح بعض خاص خاص برے اعمال و اخلاق کی قباحت و شناعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلم اور مربی کا طرز یہی ہونا بھی چاہئے) یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اسے چاہئے کہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اس کا شعار رہے، اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے، اور وہ خوشحالی و تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے۔ اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خود پسندی کی نہایت مہلک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے۔ آپ نے خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غالباً اس لئے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔

۸۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرْبَعٌ إِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ أَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِيْ

طُعْمَةٍ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی گھاٹا نہیں امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حسن اخلاق اور کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔

آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو، یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، اور حسن اخلاق کی دولت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی وہ محتاط اور پرہیزگار ہو، یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اتنا ہی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہئے، اور حرام اور مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، الغرض جس شخص کو یہ چار خصلتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا کمال نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی بلندی ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہ بے حساب اور بے شمار نعمتیں ملیں گی جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اسکی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہوگی، پس ایسا شخص اگر دنیا سے خالی ہاتھ رہے تو اسے کوئی غم اور کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملا ہوا ہے دنیا اور اسکی ساری دولتیں اور بہاریں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

۱۸۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَہٗ سَلِیْمًا وَلِسَانَہٗ صَادِقًا وَنَفْسَہٗ مُطْمَئِنَّۃً وَخَلِیْقَتَہٗ مُسْتَقِیْمَۃً وَجَعَلَ اُذُنَہٗ مُسْتَمِعَۃً وَعَیْنَہٗ نَاظِرَۃً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقَمِعٌ وَاَمَّا الْعَیْنُ فَمُقِرَّۃٌ لِمَا یُوْعِی الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَہٗ وَاعِیًا۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اس کے قلب کو صحیح وسالم بنا دیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف ایمان ویقین نصیب فرمایا جس میں شک یا نفاق کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں، اور حسد وکینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اس کے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اس کے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اس کے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین واطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں چلتی) اور اس کے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنا دیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی

سے نیچے درجہ کے ہیں (یعنی جن کے پاس دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور ان پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے درجہ کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے زیادہ دیا گیا ہے۔ اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندہ میں صبر و شکر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں، کہ اور مجھے آپ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور قرابتی رشتہ کو جوڑوں (یعنی ان کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سلوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اس کے سوا کسی کے در کا سائل نہ بنوں)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیلئے کڑوی ہو (اور ان کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں بری لگے)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے برا کہیں لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو، اور کسی کے برا بھلا کہنے کی مطلق پروا نہ کروں) اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں کلمہ "لا حول ولا قوة الا باللہ" کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب باتیں اس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اس خزانے کے قیمتی جواہرات ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے ہے، اور جس کو اللہ ہی جن بندوں کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، ہر ایک کی وہاں تک دسترس نہیں)۔ [illegible]

تشریح — حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ کلمہ "لا حول ولا قوة الا باللہ" جس کی کثرت کی اس حدیث میں تاکید فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ "گناہوں سے بچاؤ اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے" یعنی اللہ کا فضل اور اس کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو، تو بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال کر سکتا ہے، پس بندے کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور معصیات سے بچنا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر نصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اس کے دھیان اور استحضار کے ساتھ کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کیلئے اکسیر ہے، اور اس میں بڑی تاثیر ہے، مشائخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرات شاذلیہ طالبین و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی زیادہ تلقین کرتے ہیں۔

(۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْيَةِ اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَنْ يَّكُوْنَ صَمْتِیْ فِكْرًا وَّنُطْقِیْ ذِكْرًا وَّنَظَرِیْ عِبْرَةً وَّاٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِيْلَ بِالْمَعْرُوْفِ۔ [illegible]

بھی اولیٰ اور افضل کا بیان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ انکے سخت سے سخت اور ناگوار حکم کو بھی مانے ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کے ایسے سخت اور ناواجب مطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر رضاکارانہ طور پر اولاد ایسا کرے (اور کسی دوسرے کی اس میں حق تلفی نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی بلند بات ہے۔

نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصداً ترک کی اس سے اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا، یہ ان حدیثوں میں سے ہے جن کی بناء پر حضرت امام شافعیؒ اور بعض دوسرے ائمہ نے تارکِ صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اسلام اسکو جو سزا اور جو مناسب سمجھے دے اور قید کر دے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برأت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ عمداً فرض نماز چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ گناہ اگر عین کفر نہیں ہے تو قریب بہ کفر ضرور ہے۔ حضورؐ کی اس جامع وصیت کے آخری حصہ کا تعلق اولاد کی خبر گیری اور انکی تادیب و تربیت سے ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم حضور کی بالکل آخری وصیت یہ ہے [illegible] یعنی تمہارے ذمہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کیلئے جو تدبیریں بھی ممکن ہوں، وہ گویا ہمارے فرائض میں سے ہیں اور ہم اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہونگے۔

(۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهُ خَرَجَ يَوْمًا اِلٰى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ۔ (رواه ابن ماجه والبيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبویؐ میں آئے، وہاں انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا، تمہارے اس رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے ایک بات رلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ سے سنی تھی میں نے آپ سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی تو اس نے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی اور بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان نیکوکار متقی بندوں سے جو ایسے چھپے ہوئے اور نامعروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی انکو تلاش نہ کرے، اور حاضر ہوں تو کوئی ان کو دعوت دیکر اپنے پاس نہ بلائے، انکے دل ہدایت کے روشن چراغ ہیں، نکل جاتے ہیں کالی آندھیوں میں سے۔

تشریح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کر کے وہ رو رہے تھے، چند اجزاء پر مشتمل ہے۔
پہلی بات یہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، در حقیقت تنہا یہی بات ان بندوں کو رلانے کے لئے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شناعت و قباحت کو بھی جانتے ہوں، کیونکہ مخفی اور باریک قسم کے ریا سے بچنا ان بندوں کیلئے بھی بہت مشکل ہے جو اس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی کچھ لگاوٹ آ ہی گئی، عارفین کا یہ عام حال ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ محسوس کر کے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہئے وہ نصیب نہیں ہوا۔ غالباً حضرت معاذ کے اس رونے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے کہ ریا کے متعلق اس انتباہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دوسری مرتبہ تنبیہ یہ فرمائی تھی کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو ان کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی ان خاصان خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اور اس کے غضب اور عذاب سے کھیلنا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبان بارگاہ خداوندی ہیں جو نیکوکار اور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسباب شہرت سے بچنے کی وجہ سے کوئی ان کے امتیاز کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے گمنام اور نامعروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو ان کی فکر اور تلاش نہ ہو، اور موجود ہوں تو کوئی ان کو مدعو نہ کرے، ان کے دل روشن بلکہ دوسروں کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اور وہ اپنے اس باطنی روشنی کی وجہ سے فتنوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ لئے ہوئے نکل جاتے ہیں۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے میں غالباً ان کے اس احساس کو بھی دخل ہوگا کہ افسوس ہم ایسے گمنام اور نامعروف نہیں رہے، اور ہماری زندگی ایسی غربت اور کسمپرسی کی نہیں رہی، اور ممکن ہے یہ بھی احساس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستور الحال بندے کی مجھ سے کوئی حق تلفی نہ ہو گئی ہو، اور اس کو میری ذات سے کوئی ایذا بھی نہ پہنچی ہو۔

(۹۶) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ إِلَى أَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَوْصِنِي! قَالَ أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهُ أَزْيَنُ لِأَمْرِكَ كُلِّهِ قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَإِنَّهُ ذِكْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ وَنُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ قُلْتُ زِدْنِي! قَالَ عَلَيْكَ بِطُولِ الصَّمْتِ فَإِنَّهُ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلَى أَمْرِ دِينِكَ قُلْتُ زِدْنِي قَالَ إِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضَّحِكِ فَإِنَّهُ يُمِيتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُورِ الْوَجْهِ، قُلْتُ

---

[1] اکثر شارحین مشکوٰۃ نے حدیث کے آخری فقرے "يخرجون من كل غبراء مظلمة" کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ "اللہ کے وہ بندے تاریک اور گرد آلود مکانوں میں سے برآمد ہوتے ہیں" یعنی ان کے رہنے کے مکانات اندھیرے اور گرد آلود ہوتے ہیں۔ "اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ "غبراء مظلمة" سے مراد فتنوں کی کالی آندھیاں ہیں، اسلئے اس عاجز نے ترجمہ اور تشریح میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

سلام ہو تم پر۔ اما بعد! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے لوگوں کو اپنے سے ناخوش کر کے، تو اللہ مستغنی کر دے گا اس کو لوگوں کی فکر و بار برداری سے، اور خود اس کے لئے کافی ہو جائے گا، اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے، تو اللہ اس کو سپرد کر دے گا لوگوں کے۔ والسلام

تشریح اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاص کر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی امید ہو، تو بہت سے لوگ خفا ہوتے ہیں، جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی امیدیں ہیں اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں اور اگر وہاں لوگوں کی منشا کے مطابق چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اس نے رضاء الٰہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا اور انہی کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کر دیں گے، اور ان بندوں ہی کے حوالہ کر دیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔

حاصل یہ کہ اگر بندہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو اسے چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین اور اصول حیات بنا لے اور اس کے قلب مومن کی صدا یہ ہو ؂

یہ نصیحت اگرچہ لفظوں میں مختصر ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معنی و مقصد کے لحاظ سے ایک پورا دفتر ہے۔

معارفُ الحدیث

حصّہ دوم

کتاب الاخلاق

دین میں اخلاق کا درجہ

رسول اللہ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ اختیار کرے، اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے [illegible] اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ میں اخلاق کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گزرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں، تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بد اخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بد اخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ [illegible]

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسن اخلاق پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بد اخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اول کے آنحضرت کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت

۱۰۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

(۱۰۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ (رواه ابو داؤد والدارمي)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابو داؤد، دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پس عمل اور یہی بے ایمان ملحد، دون اور جان سکے ہے اسلئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے اسلئے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۱۰۳) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَثْقَلَ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ۔ (رواه ابو داؤد والترمذي)

ترجمہ: حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مومن کی میزان (ترازو) میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابو داؤد، ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ۔
(رواه البيهقي في شعب الايمان والبغوي في شرح السنة عن اسامة بن شريك)

ترجمہ: قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے ان میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا "اچھے اخلاق"۔ (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنہ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے۔)

تشریح: ان حدیثوں سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ اخلاق حسنہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ جو ان ارشادات کے مخاطب تھے ان کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے، پھر ان کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف شعبے ہیں ان میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے، اور حسن اخلاق کا درجہ بہت بلند ہے، اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً اس کا بڑا دخل ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ۔ (رواه ابو داؤد)

کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے، پھر رسول اللہ نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی کہ (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذؓ کی واپسی حضور کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوئی اور جب آئے تو آپ کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

۱۰۷) عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ۔

(رواه في الموطا ورواه احمد عن ابي هريرة)

حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مجھے حضور کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں۔ (امام مالکؒ نے اس کو اپنی موطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جزء ہے۔

۱۰۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا

(رواه البخاري)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

حسن اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ کی ایک دعا بھی پڑھ لیجئے اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجئے۔

۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ

(رواه احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

کرتے تھے: "اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کر دے"۔

ف ... رسول اللہ سے حسن اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے، ان شاء اللہ کتاب الدعوات میں آپ کی وہ دعائیں نقل کی جائیں گی۔ یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجئے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ کی نماز تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دوران نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی

وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ

اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا، اور برے اخلاق کو میری طرف سے پھیر دے، ان کو تیرے سوا کوئی پھیر بھی نہیں سکتا۔

یہ حدیثیں حسن اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاق حسنہ کی ترغیب دی ہے، یا برے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اچھے اور برے اخلاق

رحمدلی اور بے رحمی

رحمت ...... دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمٰن اور رحیم اسکے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم کھانے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں

(۱۱۰) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ۔ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لئے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں "النَّاس" کا لفظ عام ہے، جو مؤمن وکافر اور متقی وفاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اسکے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو، تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ إِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔ (رواه ابو داؤد والترمذي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کریگا۔ (سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

۱۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ۔ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے صادق و مصدوق سیدنا ابوالقاسم ﷺ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جاتا رحمت کا مادہ مگر بدبخت کے دل سے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بدبخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بدبخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا شَكَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهِ فَقَالَ امْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قساوت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح: سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بدبختی کی نشانی ہے، سائل نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کر کے آپ ﷺ سے علاج دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی، ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے اس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدبیر اس کی یہ بھی ہے کہ اس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کرے، ان شاء اللہ کچھ عرصے کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہر حال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا کھلانا دراصل جذبہ رحم کے آثار میں سے ہے، لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل بہ تکلف ہی کرنے لگے، تو ان شاء اللہ اس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخل

سخاوت، یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا اور دوسروں کے کام آنا بھی رحم دلی کی ایک شاخ ہے، جس طرح بخل اور کنجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو، تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گذریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اس کے کہ میں کسی قرض کی ادائیگی کے لئے اس میں سے کچھ روک لوں۔ (بخاری، مسلم)

۱۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِيْمَانُ فِىْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا۔ (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حرص و بخل اور ایمان بھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بخیلی و کنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں ہے)۔ (سنن نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا، اور جس میں بخل دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کیلئے گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

۱۲۳) عَنْ اَبِىْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا بَخِيْلٌ وَلَا مَنَّانٌ۔
(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بُری خصلتیں (دھوکہ بازی، کنجوسی اور احسان کر کے جتانا) ان اخلاق اور عادات میں سے ہیں جو جنت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں، اس لئے جو بندے جنت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں، انھیں چاہئے کہ ان عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا

رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصوروار کو معاف کر دیا جائے اور اس سے انتقام نہ لیا جائے، رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے۔ چند ہی ورق پہلے "کتاب الرقاق" کے آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے، اور ان میں سے ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے، میں اس کو معاف کر دیا کروں۔ اس سلسلہ کی ایک دو حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجئے۔

۱۲۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَتَمَ اَبَا بَكْرٍ وَالنَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ يَتَعَجَّبُ وَيَتَبَسَّمُ

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔ (الشوریٰ ۴۲: ۴۰)

اور برائی کا (قانونی) بدلہ اسی کی مثل برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی کسی نے کی، اس کے بدلے میں اس کے ساتھ اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے، لیکن اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے اور معاف کر دے اور صلح و اصلاح کی کوشش کرے، تو اس کا خاص اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

۱۲۵) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ ۔** (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟ ارشاد فرمایا، وہ بندے جو (قصوروار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قصوروار کا قصور معاف کرنے کی اس فضیلت کا تعلق افراد و اشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے، لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر سزا مقرر ہے، اُن مجرموں کو معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ جو دنیا میں سب سے زیادہ رحم دل تھے، آپ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنے والوں کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے۔ لیکن اللہ کی حدوں کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے[1] ما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسه فی شیء قط الا ان تنتهک حرمة اللہ فینتقم

۱۲۶) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ۔** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے اسکو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اسنے پھر وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (جامع ترمذی)

تشریح: سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے، تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں، اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ نے جواب دیا کہ:

---

[1] مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔

اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے، تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔ حضور ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی حد مقرر کی جائے، بلکہ حسن اخلاق اور ترحم کا اقتضاء یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے تو اسکو معاف ہی کر دیا جائے۔

ف ــــ جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے، ستر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے، اور خاص کر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

احسان

رحم ہی کی شاخوں میں سے، یوں کہئے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے، احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اسکو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا اسکا کوئی کام کر دیا جائے، اسکو آرام پہنچایا جائے یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کیلئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے امت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

۱۲۷) عَنْ أَنَسٍ وَ عَبْدِ اللهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ إِلٰى عِيَالِهٖ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ ــــ حضرت انس اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور ان کی ضرورت و حیات کا حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل و عیال کی روزی اور ان کی ضروریات کا مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

تشریح ــــ ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کے ساتھ احسان کرے اس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی ان کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

ف ــــ یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اس کو انعامات سے نوازوں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہو گئے یا دوسرے ناقابل معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہوں، (مثلاً قتل و غارت گری و ڈاکہ

اور جنت ہے۔

۱۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَ كَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین یا حاجتمند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو، وہ اجر و ثواب میں اس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو۔ راوی کہتے ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔ اور اس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اس دائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔

جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے، لیکن خاص کر کسی بے سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا تو ایسا عمل ہے کہ ایسے کرنے والے بندے اجر و ثواب میں ان بندوں کے برابر ہیں جو راہ خدا میں جہاد کرتے ہوں یا جو صائم النہار اور قائم اللیل ہوں۔

چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے

۱۳۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَحْقِرَنَّ اَحَدُكُمْ شَیْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیَلْقَ اَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَاِذَا اشْتَرَیْتَ لَحْمًا اَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَاَكْثِرْ مَرَقَتَهٗ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے، پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اس سے ملاقات کرے (یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خریدو یا ہانڈی پکاؤ تو اس میں شوربہ بڑھا دیا کرو، پھر کچھ اس میں سے اپنے پڑوسی کے لئے بھی نکالا کرو۔ (جامع ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرے حسب استطاعت ان کو تحفے دیا کرے، اور اگر تحفہ دینے کیلئے کوئی زیادہ بڑی چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رکے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ ان سے ملا کرے، یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے۔

اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کر ہی سکتا ہے، کہ جب کبھی گھر میں گوشت پکے تو اس میں شوربا ذرا زیادہ کر لیا جائے، اور کسی پڑوس کے گھر بھی اس میں سے بھیج دیا جائے۔

دراصل حسن سلوک کی ان آخری صورتوں کا ذکر حضور ﷺ نے بطور مثال کے کیا ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

١٣٢) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَ اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِىْ اِنَاءِ اَخِيْكَ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم حسن سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو، اور اس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو، اور یہ بھی (حسن سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ان حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو، اور اس کو جو آرام تم پہنچا سکتے ہو، اور جس طرح تم اس کے کام آ سکتے ہو، اس میں دریغ نہ کرو، اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مودت کی فضا ہو، اور کیسا بھائی چارہ ہو۔ ان حدیثوں نے یہ بھی بتلایا کہ کسی پر احسان کرنا دولتمندی پر موقوف نہیں ہے، اس فضیلت میں غربا بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ امیروں کے شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کوئی دوسرا حاجتمند اس کے سامنے آ جائے تو وہ چیز اس کو دیدے، اور خود تکلیف اٹھائے، اسی کا نام ایثار ہے، اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے، رسول اللہ ﷺ کا خود اپنا طرز عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

١٣٣) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَكْسُوْكَ هٰذِهٖ فَاَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا اِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَاٰهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَحْسَنَ هٰذِهٖ فَاكْسُنِيْهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامَهٗ اَصْحَابُهٗ قَالُوْا مَا اَحْسَنْتَ حِيْنَ رَاَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

یہی جواب ملا، پھر (یکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں کہلا کے بھیجا اور) ان سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد) آپ نے صحابہ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا تم میں سے کون اس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوگی! انصار میں سے ابو طلحہ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں۔ چنانچہ وہ اس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا (اس وقت ایک مہمان کے لئے) کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میرے اور تمہارے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابو طلحہ نے کہا، تو پھر ایسا کرو کہ ان بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے (بلا کھلائے) سلا دو، اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے تو (اپنے طرز عمل سے) اس پر یہ ظاہر کرنا اور ایسا دکھانا کہ (اس کے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کیلئے ہاتھ بڑھائے (اور کھانا شروع کر دے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جانا اور اس کو گل کر دینا (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اس کے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، بس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان نے کھایا، اور ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گذاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ، رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کا اور ان کی بیوی کا نام لے کر ان کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا، راوی کو شک ہے کہ آپ نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے عجب اللہ کا لفظ بولا تھا یا ضحک اللہ ہے۔

تشریح: رسول اللہ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے عملی نمونے نے صحابہ کرام میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کر دی تھی یہ واقعہ اس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (سورۃ حشر ۵۹: ۹)

ابو طلحہ انصاری کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص الخاص درجہ نصیب ہوا اس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ نے بطور مجاز یا استعارہ کے عجب یا ضحک کا لفظ بولا، ورنہ ظاہر ہے کہ حیرت و تعجب کرنا اور ہنسنا اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

انس و محبت اور بیگانگی و عداوت

رسول اللہ نے انس و محبت کو بھی خاص ایمانی صفات میں سے بتایا ہے اور کیوں نہ ہو، خود آنحضرت انس و محبت کا ایک پیکر تھے اور آپ کی ہر خصلت بلاشبہ ایمانی خصلت ہے۔

۱۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَأْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کو انس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں گے۔ اس حدیث میں ان خشک مزاج متقشف حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں۔ البتہ مؤمن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ محیای ومماتی للہ رب العلمین ○

اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض و عداوت

۱۳۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کیلئے ہو۔ (ابو داؤد)

تشریح: کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کیلئے کسی سے بغض رکھے، بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے، کتاب الایمان میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا اور اللہ کیلئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے

۱۳۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کیلئے کسی بندہ سے محبت کی اس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

تشریح — یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندے سے اللہ کے لیے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کیلئے آپس میں میل محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں

۱۳۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِىْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِىَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِىَّ۔

(رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں، اور میری وجہ سے اور میرے تعلق سے کہیں یکجا ہو کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالک)

تشریح — اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کیلئے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کیلئے بیٹھتے ہیں جس سے ملتے ہیں اللہ کیلئے ملتے ہیں، وہ جو ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کیلئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں ان سے راضی ہوں اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔ اللهم اجعلنا من المتحابين فيك والمتجالسين فيك والمتزاورين فيك والمتباذلين فيك (اے اللہ! ہمیں اپنے ان بندوں میں سے کر دیجئے جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے باہم مل کے بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لئے آپس میں ملتے ہیں، اور تیری ہی رضا کیلئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)۔

۱۳۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَّهٗ فِىْ قَرْيَةٍ اُخْرٰى فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ عَلٰى مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ اَخًا لِّىْ فِىْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ اَنِّىْ اَحْبَبْتُهٗ فِى اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے، جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا، ملاقات کیلئے چلا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گذر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا (جب وہ شخص اس مقام سے گذرا تو) فرشتہ نے اس سے پوچھا، تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا، میں

اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے، اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ اس بندہ نے کہا نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں)۔ فرشتہ نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اس کے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... یہ واقعہ جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی امت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آ سکتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں وغیرہ کر سکتے ہیں، حضرت جبرئیلؑ کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا، اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت ﷺ کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور اس للّٰہی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتے کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ فطوبیٰ لهم و بشریٰ لهم (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)۔

اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز

(۱۵۰) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَأُنَاسًا مَا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا أَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ إِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَإِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں بتا دیجئے، کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے، روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے خدا کی ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے بلکہ سراسر نور ہوں گے، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس

وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے، اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے، اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی "أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" (معلوم ہونا چاہئے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، ان کو خوف و غم نہ ہوگا)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح — اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے، اور قیامت میں ان پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ اپنے درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کمتر درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اس لئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے، بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا، حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: "هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوحِ اللَّهِ" اس لفظ روح کو رے کے پیش کے ساتھ رُوح بھی پڑھا گیا ہے، اور زبر کے ساتھ رَوح بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت و الفت کی۔ دین اس اخروی زندگی کے لئے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ روح کے بھی ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور روح کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے ان بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

اللہ کیلئے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں

(۱۴۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔

تشریح اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان، کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ دراصل استفہام و استفسار کیلئے نہ ہوگا، بلکہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علی رؤس الاشہاد اس لئے بلند ہوگی کہ ان بندگان خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہل محشر اور تمام اولین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے، اور سب سن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

محبت ذریعہ معیت

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہے۔ (یعنی کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔

تشریح ...... سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندہ سے یا اہل صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجہ کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور اس بناء پر رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود ان بندگان خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کیلئے اور دین کے تعلق سے محبت تھی۔ اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

۱۴۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ اَنْتَ يَا اَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاَعَادَهَا اَبُوْ ذَرٍّ فَاَعَادَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اسی کے ساتھ ہو گے۔ ابوذر نے عرض کیا، حضرت! مجھے تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سن کر ابوذر نے پھر اپنی بات دہرائی اور رسول اللہ ﷺ نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔

۱۴۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَيْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوْا بِشَيْءٍ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ فَرَحَهُمْ بِهَا ـ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا وائے بر حال تو! (تو قیامت کا وقت یا اس کے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا میں نے اس کے لئے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ آپ نے فرمایا تجھ کو جس سے محبت ہے تو ان ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو ان کی معیت نصیب ہوگی۔ حدیث کے راوی حضرت انس اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضور ﷺ کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضور ﷺ کی اس بشارت سے ہوئی۔

تشریح: اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:

فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّیْ اِيَّاهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ اَعْمَالَهُمْ

ہم لوگوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو) کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ انت مع من احببت "(تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو)" پس میں تو اللہ سے محبت رکھتا ہوں، رسول اللہ ﷺ سے اور ابو بکرؓ و عمرؓ سے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا اگرچہ میرے اعمال ان حضرات کے سے نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہئیں۔

محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب

اول یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محب اور محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا، بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں، اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

محبت کیلئے اطاعت لازم

دوسری بات یہ ہے کہ محبت کیلئے اطاعت لازم ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو، اور اسکی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اسکے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں، اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کو اہل محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اور بالکل صحیح فرمایا ہے

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ　　　هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْقِیَاسِ بَدِیْعٌ
لَوْکَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ　　　اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

(یعنی اے محبت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، قسم ہے، قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہوتا، تو اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی بات دل و جان سے مانا کرتا ہے)

بہر حال اللہ و رسول کی محبت کیلئے ان کی اطاعت لازم ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت و رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ (النساء: ۶۹)

پس اس آیت اور مندرجہ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے۔ یہ بات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے .... حاصل اس کا یہ ہے کہ۔

ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور سے محبت ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں، اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہنچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہنچا دیے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو نہ ہو سکے گی، اس لئے آخرت میں حضور ﷺ کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا، یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا ۝ (النساء ع ۹)

اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی اور اس کے رسول کی، پس وہ اللہ کے ان خاص مقرب بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا خاص انعام ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اور یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ ﷺ کے اس محب صادق کو اور دوسرے تمام اہل محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کرو گے، اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم غوری کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے، اس لئے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی۔ اللهم ارزقنا حبك وحب رسولك وحب من ينفعنا حبه عندك (اے اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، اور جن بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لئے نفع بخش ہو ان سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و غمخواری

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آب رحمت ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں، ان میں سے بعض گذشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں، لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنادی گئی ہے، اور اب

رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمائندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، قلبی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا معاشرت کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں "اخلاق" کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں باہم کیسی محبت و مودت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے

۱۴۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِىْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مودت، ایسی ہمدردی اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ ان کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو، تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں۔ اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں "رحماء بینهم" کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

۱۴۶) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور ان کے جڑے رہنے سے عمارت قائم رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی اینٹیں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور جیسے ان میں کوئی خلاء ہو۔

باہم نفرت و عداوت و بغض و حسد اور بدگمانی و شماتت وغیرہ کی ممانعت

مندرجہ بالا حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اس کے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہنچانے، اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکیدوں کیساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہ ہیں:

۱۴۷) **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو، اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا، یہ ایک قسم کا جنون اور وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو، اس کے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر شخص اس وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی ان ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردعمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اکذب الحدیث" فرمایا ہے، یعنی سب سے جھوٹی بات، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بڑی بات نہیں سمجھا جاتا، رسول اللہ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے، اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:

"حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" (رواہ احمد و ابو داؤد عن ابی ہریرۃ)

پھر بدگمانی کے بعد اور جن جن بری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر اس پر حسد کرنا، اور اس کی خوش حالی و ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا وغیرہ وغیرہ، ان سب کا حال بھی یہی ہے، کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے "اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو!" اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

۱۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا۔ وَیُشِیْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ۔ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو، تو اس کی مدد کرے) اور اس کو بے مدد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حقیر نہ جانے، اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر کہ اس کے دل میں تقویٰ ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ نے تین بار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو، اور اپنے دل کے تقوے کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو، اس لئے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اس کا خون، اس کا مال، اور اس کی آبرو (اس لئے ناحق اس کا خون کرنا، اس کا مال لینا، اور اس کی آبرو ریزی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔

تشریح ۔۔۔ اس حدیث میں ہر مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو، تو یہ اس کی مدد کرے، لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو، اس کو ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔

ایمان والے بندوں کو ستانے والوں اور عار دلانے والوں کو تنبیہ

۱۴۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِیْعٍ یَا

مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کے رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح: جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارہ میں محتاط ہو جاتا ہے، خاص کر اللہ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، ان کو ستانے، ان کا دل دکھانے، ان کی چھپی برائیوں کا ذکر کر کے ان کو شرمندہ کرنے اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے، لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اتری ہو، اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں تو آدمی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے، خاص کر اللہ کے ان بندوں کے پیچھے پڑتا ہے جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبدیت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، ان کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے، ان کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، ان کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور ان کے مقام کو گرانے اور ان کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے مشغلہ کو ترک کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کئے جائیں گے اور ذلت و رسوائی کی مار ان پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے تو اللہ ان کو ان کے گھر کی چہار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ... میلش اندر طعنہ پاکاں برد

حسد کے بارے میں خاص تنبیہ

(۱۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، تم حسد کے

مرض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اس کے درپے رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچائے، اس کو بے آبرو کرے، پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا، تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضروری ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلا دی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

(۱۵۱) عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمُ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا أَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔

صحابہ کرامؓ کے متعلق اللہ علیم و خبیر کی شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیئے ہیں، اور وہ اپنے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کا یہ خاص انعام ہے، کہ اس نے تم پر ایمان لانے والوں کے دل ملا دیئے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لئے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے

بہر حال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے ان کے دل ایک دوسرے کی محبت و الفت سے بھر دیئے گئے تھے، اور ان میں باہم بغض و حسد کا نام و نشان بھی نہ تھا، اسلئے اس حدیث کا منشا یہی ہو سکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض و حسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی اور رسول اللہ ﷺ پر وہ منکشف ہوئی، اور آپ نے امت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض و حسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سی امتوں کے دین و ایمان کو برباد کیا وہ میری امت کی طرف بھی چلی آرہی ہے، لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں، اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

بغض اور کینہ کی نحوست

(۱۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَیْنِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَخِیْهِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ اُتْرُکُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰى یَفِیْئَا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دو شنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندۂ مومن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، سوائے اُن دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں، پس اُن کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہمی دشمنی سے باز آ ئیں اور دلوں کو صاف نہ کر لیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب و ترہیب میں اوسط طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے، کہ ہر دو شنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب لوٹا دیے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آ ئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کینہ ہوگا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینہ کو صاف پاک نہ کر لے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہوگا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

شماتت کی سزا

(۱۵۳) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِیْكَ فَیُعَافِیَهُ اللهُ وَیَبْتَلِیْكَ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت واثلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو مبتلا کر دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہو تا ہے اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے، اس کو شماتت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ

بسااوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دیدیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کر اس پر خوش ہونیوالے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

نرم مزاجی اور درشت خوئی

رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور درشتی اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہاں پڑھئے۔

(۱۵۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِىْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِىْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِىْ عَلٰى مَا سِوَاهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں، اور بعض لوگ نرم اور مہربان، اور ناآشنائے حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا، گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کار برآری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اسکے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے، اور اسکا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اسقدر دیتا ہے جسقدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اور مصالح کے نقطۂ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو، اور اسکے کام پورے کرے، اسکو چاہئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو، اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

(۱۵۵) عَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی نرمی کی

صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو شخص اس سے محروم رہا، گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا، یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہٰذا جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہیگا۔

۱۵۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (رواہ البغوی فی شرح السنہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جسکو نرمی نصیب نہیں ہوئی وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

۱۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يَحْرِمُهُمْ إِيَّاهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کیلئے نرمی کی صفت عطا کرنے کا، مگر ان کو نفع پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ، اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے ان کو۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کیلئے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کیلئے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے جس شخص کے مزاج اور رویّہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں قریبوں کے لئے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرضکہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویّہ سخت ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے مستقل عذاب ہوگی۔ اور اس کے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویّہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرضکہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا اور دوسروں

الْجَعْظَرِیُّ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (ابو داؤد)

تشریح: حدیثوں میں کبھی کبھی کسی برے عمل یا بری عادت کی برائی بیان کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس سے بچانے کیلئے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا" اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت شان ایمان کے خلاف اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے، اس لئے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہئے۔

حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں، اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ سچے مومنین کی طرح اور ان کے ساتھ جنت میں نہ جا سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی

۱۶۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ بِالْمَدِيْنَةِ وَاَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ اَمْرِيْ كَمَا يَشْتَهِيْ صَاحِبِيْ اَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ مَا قَالَ لِيْ فِيْهَا اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِيْ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا اَوْ اَلَّا فَعَلْتَ هٰذَا۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا، اور میں نو عمر لڑکا تھا اس لئے میرا ہر کام رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا (یعنی نو عمری کی وجہ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟

تشریح: رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو مستقلاً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے آخری روز حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، ان ہی کا یہ بیان ہے کہ نو عمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اف تک نہیں کہا، اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے، لیکن ہم امتیوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

حلم و بردباری یعنی غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا

رسول اللہ ﷺ نے امت کو جن اخلاق کی تاکید و اہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہے ان میں سے ایک حلم و

بڑی بیاری قیمتی ہے۔

(۱۶۱) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔** (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو، اس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت مجھے اور وصیت فرمائیے، مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے وصیت کی درخواست کرنے والے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے، اور اس وجہ سے ان کیلئے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ "غصہ نہ کیا کرو" اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بد انجام عادت ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا، گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا، بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، حد یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی بکنے لگتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "غصہ دین و ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلوا شہد کو خراب اور کڑوا کر دیتا ہے"۔ (یہ حدیث ... میں درج کی جا چکی ہے)۔

لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہی غصہ ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہو اور جس سے مغلوب ہو کر آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود اور شریعت کے احکام کا پابند نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کیلئے اور حق کی بنیاد پر ہو، اور اس میں حدود سے تجاوز نہ ہو، بلکہ بندہ اس میں حدود اللہ کا پورا پابند رہے، تو وہ کمال ایمان کی نشانی اور جلال خداوندی کا عکس ہے۔

غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا اصلی پہلوان ہے

(۱۶۲) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔** (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور در حقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ "اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک" (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاص کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے، اس لئے فرمایا گیا ہے کہ طاقت ور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حقدار وہی مرد خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ، غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا تو بالکل فطری بات ہے، اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطلب یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شان بندگی کے خلاف ہوں۔

غصہ کے وقت کیا کیا جائے

۱۶۳) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ۔** (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح ... رسول اللہ ﷺ نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے، علاوہ اس کے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اُن کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے، اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

۱۶۴) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔**

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو دین سکھاؤ دین کی تعلیم دو اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو دشواری پیدا نہ کرو، اور جب تم سے کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کرلے، یہ آخری بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔

([illegible])

تشریح — غصہ کے برے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لئے یہ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کر لے، ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا، اور بات آگے نہ بڑھے گی۔

۱۶۵) عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حد سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتشی ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے۔ (ابو داؤد)

تشریح — غصہ کو فرو کرنے کی یہ خاص الخاص تدبیر ہے، اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہے، واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آ جائے، اور اسی وقت اٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ سے وضو کر لیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا۔ اور بالکل ایسا محسوس ہو گا کہ وضو کا پانی پڑا اور اسے غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اس کا صلہ

۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالٰى. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اس گھونٹ سے افضل ہو، جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (مسند احمد)

تشریح — غصہ کو پی جانا جس طرح اردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے، بلکہ اردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضاجوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔

جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لئے جنت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ

غصہ کو پی جانے والے اور دوسروں کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے

۱۶۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللهُ عَلَى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔

(رواہ الترمذی و ابو داؤد)

سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص پی جائے غصہ کو درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کیلئے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور جس پر اس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے، اور اس کو اختیار دیں گے کہ حوران جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔

تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر ڈالے، پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے، کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمائیں گے کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حوران جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لئے انتخاب کر لو۔

۱۶۸) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللهِ قَبِلَ اللهُ عُذْرَهُ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو کوئی (دوسروں کی برائی وغیرہ بُری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اس کے عیوب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا اور پی جائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا، اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرما دے گا)۔

حلم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے

۱۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ إِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے رسول اللہ

نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔

قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت کی زیارت کیلئے مدینہ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور کی خدمت میں پہنچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بلکہ اتر کے پہلے سارے سامان کو کیا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے، اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ نے ان کے اس رویہ کو پسند فرمایا، اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں، ایک حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اناۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کیساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

کام متانت اور وقار کے ساتھ انجام دینے کی فضیلت اور ترغیب

(۱۷۰) عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْأَنَاةُ مِنَ اللهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اسکے برعکس جلد بازی ایک بری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

(۱۷۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔ (رواہ الترمذی)

عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔

حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور انکی ترغیب دینا ہے۔ اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں، یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین

گویا آپ نے ان یہودیوں کی انتہائی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند نہیں فرمایا اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۷۳) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلَا لَعَّانٍ وَلَا فَاحِشٍ وَلَا بَذِيٍّ۔** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن نہ تو زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا، اور نہ بدگو اور نہ گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے، کتاب الایمان میں وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں اختلاف و نزاع کے وقت گالیاں بکنے کو منافق کی نشانی بتلایا گیا ہے۔

(۱۷۴) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ بِئْسَ رَجُلُ الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ قَالَ ائْذَنُوْا لَهُ فَلَمَّا دَخَلَ اَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَهُ مَا قُلْتَ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ وَدَعَهُ اَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِاتِّقَاءِ فُحْشِهِ۔** (رواہ البخاری و مسلم و ابو داؤد واللفظ لہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپ نے (ہم لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا برا فرزند ہے، یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا برا آدمی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دے دو، پھر جب وہ آگیا تو آپ نے اس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی، اور پہلے آپ نے اس کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلے کا بہت برا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا، جس کی بدزبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے لوگ اسکو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور برا بھی ہو، جب بھی اس سے بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہئے، ورنہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں، اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ اللہ کے نزدیک بہت برا آدمی ہے، اور قیامت کے دن اس کا حال بہت برا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے آنے سے پہلے اس کے برے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو

غالباً اس لئے دی تھی کہ وہ اسکے سامنے محتاط ہو کر بات کریں، اور کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو کسی شریر اور برے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہئے، اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی برائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذکروا الفاجر بما فیہ لکی یحذرہ الناس" ۔ (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اسکا لوگوں سے ذکر کر دو تاکہ اللہ کے بندے اسکے شر سے محفوظ رہ سکیں)۔ (کنز العمال)

۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور برا ہونا معلوم ہو اس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہئے، بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "فلما جلس تطلق النبی ﷺ فی وجہہ وانبسط الیہ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اس آدمی سے شگفتگی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں ان سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہئے صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ "انا لنکشر فی وجوہ اقوام وان قلوبنا لتلعنھم" ۔ یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں، جن کے اعمال اور اقوال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

۳) اس حدیث کی ابوداؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، اس سے آپ نے ایسی بشاشت اور شگفتگی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا "یا عائشۃ ان اللہ لا یحب الفاحش المتفحش" یعنی اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا۔ "مطلب یہ ہے کہ بدزبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے، لہٰذا میں کیسے اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔

۱۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ، اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے، جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے)۔

(صحیح بخاری)

تشریح: یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث کو بھی روایت کیا ہے، اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے۔ کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

جھگڑوں اور بدزبانی اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرو

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور ہر قسم کی بری باتوں سے بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے، اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی امید نہ ہو، تو خاموش ہی رہا جائے۔ یہ تعلیم رسول اللہ ﷺ کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ نے نجات کا دار و مدار بتلایا ہے، اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نورانیت اور ان کا حسن و قبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات کتاب الاخلاق میں گذر چکے ہیں، چند حدیثیں یہاں اور درج کی جاتی ہیں۔

(۱۷۶) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِيْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيْمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ…… حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَذِرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهٖ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ أَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ۔ (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں، اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں، آپ نے فرمایا، تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے، لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کر دے (اور توفیق دیدے)۔ تو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو فکر اور اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں خیر کے دروازے

بھی بتا دوں؟ (گویا جو کچھ اب تک آپ نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے اور دروازے بتلاؤں (غالباً اس سے آپ کی مراد نفل عبادات تھیں، چنانچہ حضرت معاذؓ کی طلب دیکھ کر آپ نے ان سے فرمایا) روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) سپر اور ڈھال ہے، اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصے کی نماز (یعنی نماز تہجد کا بھی یہی حال ہے، اور ابواب خیر میں اس کا خاص الخاص مقام ہے) اس کے بعد آپ نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورۂ سجدہ کی یہ آیت پڑھی:

①تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝
فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

پھر آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں معاملہ کا (یعنی دین کا) سر اور اس کا عمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتا دوں؟ (معاذؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت ضرور بتا دیں! آپ نے فرمایا، دین کا سر یا سرا اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتا دوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور جس کے بغیر یہ سب چیزیں ہیچ اور بے وزن ہیں، معاذؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت وہ چیز بھی ضرور بتا دیجئے! پس آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بیباک اور بے احتیاط نہ ہو، معاذؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت! ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ ہے) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح — اس حدیث میں ارکان اسلام کے بعد آپ نے ابواب خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے، اور اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ نماز تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے۔ پھر آپ نے اسلام کو "رأس الامر" یعنی دین کا سر بتلایا ہے، بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے، اور اس کے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ

---

① اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور امید کی کیفیت کیساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ و خیرات کرتے ہیں) ان کے اعمال خیر کے صلہ میں دیئے جانے کیلئے جو نعمتیں اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پردہ غیب میں رکھا گیا ہے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔

کی خاص ترجمان ہے، اس لئے دونوں کی نوعیت یہی ہے، کہ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد و کجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

(۱۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ذمہ لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اس کیلئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔

تشریح: انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے، اس لئے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو بندہ اسکا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کریگا، اور شہوت نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا، میں اس کیلئے اپنی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے، کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحب ایمان اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

(۱۷۹) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا أَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ قَالَ فَأَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هٰذَا۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کے فرمایا کہ سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے، البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بیجا چلے، لہٰذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو۔ ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے سفیان بن عبداللہ ثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو، اسلئے حضور ﷺ نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱۸۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔

(رواہ احمد والترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔

تشریح — مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا، وہ ہلاکت کے غار میں گرنے سے بچ گیا، ابھی حضرت معاذؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بے باکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔

(۱۸۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ ۔ (رواه احمد والترمذى)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا کہ حضرت (مجھے بتا دیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا گر کیا ہے (اور نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے جا نہ چلے) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہو، اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رویا کرو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح — زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے، لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ نے یہ فرمائی کہ "تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھوما کرو، بلکہ اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھا کرو، اور اللہ کی عبادت کیا کرو۔ تجربہ شاہد ہے کہ بے ضرورت باہر گھومنا جھگڑوں، برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

(۱۸۲) عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَ اَثْقَلُ فِى الْمِيْزَانِ؟ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی دو خصلتیں بتاؤں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ دونوں خصلتیں ضرور بتلا دیجئے! آپ نے فرمایا، زیادہ خاموش رہنے کی عادت، اور حسن اخلاق، قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح — جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے کہ بے ضرورت اور نامناسب اور ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے، جس شخص کا یہ طرز عمل ہوگا قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی، کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کیلئے آپ کو ہدایات دینی تھیں، اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں

کوئی بھی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کے دیکھنے والے صحابہ کرام نے آپ کا حال یہ بیان فرمایا کہ "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم طويل الصمت"[1] (رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "لا يتكلم الا فيما يرجو ثوابه"[2] (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی امید ہوتی تھی)۔

۱۰۳) عن عمران بن حطان قال اتيت ابا ذر فوجدته في المسجد محتبيا بكساء اسود وحده فقلت يا ابا ذر ما هذه الوحدة؟ فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الوحدة خير من جليس السوء والجليس الصالح خير من الوحدة واملاء الخير خير من السكوت والسكوت خير من املاء الشر. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: عمران بن حطان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا، اے ابوذر! یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار کیا ہے؟) انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ "برے ساتھیوں کی ہم نشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتلانا خاموش رہنے سے بہتر ہے اور بری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کے ساتھ آگئی ہے کہ خاموشی کی جو فضیلت ہے وہ بری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے، ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے، اسی طرح یہ بات بھی صراحت سے آگئی ہے کہ برے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہمنشینی سے بہتر تنہائی ہے، لیکن صلحاء کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

ف: یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور ان کی استعدادیں اور ان کے رجحانات بہت مختلف ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف طبائع اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگانِ خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں ان سے ملنا جلنا ان کے لئے شاق اور گراں ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس حدیث میں فرمایا اور جس پر خود

---

[1] رواه البغوي في شرح السنة عن جابر بن سمرة۔ مشكوة باب في اخلاقه و شمائله۔

[2] رواه الطبراني في الكبير في حديث طويل عن الحسن بن علي في صفاته ﷺ

اُن کا عمل تھا۔ اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں اُن کی بھی اصلاح اور درستی کیلئے ان سے ملنا جلنا اور ان کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ اختلاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے اُن کی خدمتیں کرنا ان کے لئے شاق نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے، اُن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آئیں گی) اسی طرزِ عمل کی رہنمائی فرمائی ہے، اور اکثر صحابہ کرامؓ جو حضرت ابوذرؓ کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے، ان کا طرزِ عمل وہی تھا۔ پس صحابہ کرامؓ کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں اور اسی طرح زمانۂ مابعد کے اہلِ ایمان اور اہلِ صلاح کے مختلف طبقوں کے طرزِ عمل میں جو اس طرح کی رنگارنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے۔ جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں، درحقیقت انہوں نے دین کی وسعت، تعلیم نبوی ﷺ کی جامعیت و کاملیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی و تشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

ترک ما لا یعنی

(۱۸۴) عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ۔

(رواه مالك و احمد ورواه ابن ماجه عن ابي هريرة والترمذي والبيهقي في شعب الايمان عنهما)

ترجمہ: حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی اسلامیت کے حسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اس کیلئے ضروری اور مفید نہ ہو اس کو چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو امام مالکؒ نے موطا میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسینؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ نے سنن میں مسنداً حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے جامع میں، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسلاً و مسنداً ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے)۔

تشریح — حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو و فضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمال ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت سے ہے، اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان "ترک ما لا یعنی" ہے۔

چغل خوری

جن بُری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن کو سنگین جرم اور گناہِ عظیم قرار دیا ہے، اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے، اُن میں سے ایک چغلخوری

بھی ہے۔ یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کر دے، اسی بری عادت کا نام چغلخوری ہے۔ چونکہ آپس کے تعلقات کی درستی و خوشگواری اور حسن معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیم نبوی ﷺ کے مقاصد میں سے ہے (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادات سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اس لئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہر حال چغلخوری کو رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اس کے برے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

۱۸۵) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ.

(رواہ البخاری و فی روایۃ مسلم نمام)

ترجمہ: حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ چغلخور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ چغلخوری کی عادت ان سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس خبیث اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

۱۸۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ.

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: عبدالرحمن بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جنکو دیکھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں، اور جو اسکے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔

تشریح: اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادۃً چغلخور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو، اور جو بندگان خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ وہ صحبت و محبت کیلئے ایسے بندگان خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو، اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو، اور اس کے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی برائی کے درپے رہتے ہوں،

ترجمہ: حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور ان کی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اس کے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں، اور ایمان نے اُن کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

۱۸۹) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِىْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِىْ اَعْرَاضِهِمْ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو (عالم بالا کے اس سفر میں) میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبرئیل نے بتلایا یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور ان کی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔

تشریح: نحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اس کو بھی نحاس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں "نحاس کے ناخنوں" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں تپے ہوئے سرخ تانبے کے یا تانبے کے سے تھے، اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔ ان کیلئے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اس لئے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے، یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔

۱۹۰) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَجَابِرٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ الْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِىْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِ (وَفِىْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللهُ لَهُ) وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهُ صَاحِبُهُ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔

(۱۹۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟ قَالُوْا اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ اصحاب نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا اپنے کسی بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا کہ حضرت اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں جو واقعۃً اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا غیبت جب ہی تو ہوگی جبکہ وہ برائی اس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔

اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

ف ...... یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو، تو پھر اس شخص یا گروہ کی برائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کار ثواب ہوگا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر کرنا، تاکہ وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا، اور دین و شریعت کے محافظ علماء حق کا اہل باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دو رُخے پن کی ممانعت

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے

مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں، تو اس کے ساتھ اپنے حسن تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی کو اردو زبان میں "[illegible]" کہتے ہیں، اور عربی میں "[illegible]" کہا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طرز عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے، جس سے بچنے کی رسول اللہ [illegible] نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے، اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گندی بات ہے، اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

(۱۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِیْ يَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ [illegible] نے ارشاد فرمایا، تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے، اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔ [illegible]

تشریح: قیامت میں ایسا آدمی کس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا اس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے۔

(۱۹۳) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِی الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ [illegible] نے فرمایا، دنیا میں جو شخص دو رخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ [illegible]

تشریح: اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں، اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح برے اعمال اور برے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں، وہ بھی مختلف قسم کے اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے، پس دو رخا پن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں ہوں گی [illegible]۔ واضح رہے کہ جانوروں میں سے بعضے سانپوں کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہمارے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بد اعمالیاں اور بد اخلاقیاں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ" (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے

صدق و امانت اور کذب و خیانت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں جن اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا اور جن کو لازمۂ ایمان و اسلام قرار دیا ہے ان میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث کتاب الایمان میں گذر چکی ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا، نفاق کی خاص علامات میں سے ہے، اور جس شخص میں یہ برائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اسطرح یہ حدیث بھی وہاں ذکر کی جا چکی ہے کہ "جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں" اور یہ کہ "مؤمن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا"۔

اب یہاں رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے راست سچائی اور امانتداری پر قائم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

(۱۹۱) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا تم سچائی کو لازم پکڑو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو، کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے، اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے، تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذات خود بھی نیک عبادت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا بذات خود بھی ایک خبیث خصلت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے، نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے

تک پہنچ کر یہ رابطہ عشق بن جاتا ہے۔

١٩٥) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے، آپ نے فرمایا "تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے، اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟" انھوں نے عرض کیا کہ: "اللہ اور اس کے رسول کی محبت" ان کا یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے حقیقی محبت ہو یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ بلا خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

(الحدیث ۔۔۔)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانتداری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

١٩٦) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّۃَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا اؤْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَکُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَکُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو اور جب کسی سے وعدہ کرو تو اسکو پورا کرو، جب کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اُن کی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روک لو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کیلئے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ

بنیادی اخلاق (صدق و امانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنالیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے، اور اس کے لئے اللہ اور رسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

تجارت میں صدق و امانت

۱۹۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَاءِ۔ (رواہ الترمذی والدارقطنی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء، صدیقین اور شہداء کیساتھ ہوگا۔

تشریح: اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ قربِ خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے بھی دنیا اور مشاغلِ دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ اور رسولؐ کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق و امانت جیسے دینی قوانین کی پابندی کے ذریعے حضرات انبیاء اور صدیقین و شہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہے۔

۱۹۸) عَنْ عُبَیْدِ بْنِ رِفَاعَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائینگے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خدا ترس اور خدا پرست) تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ اور حسنِ سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔

جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں

۱۹۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلَالِ کُلِّہَا اِلَّا الْخِیَانَۃَ وَالْکِذْبَ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مؤمن اگر واقعی مؤمن ہو، تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی، دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، پس اگر کسی میں یہ بری عادتیں موجود ہوں، تو اسے سمجھنا چاہیے

فارغ ہوئے تو ایکدم کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کہ: جھوٹی گواہی اشراک باللہ کے برابر کر دی گئی، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور قرآن مجید (سورۂ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۔ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ" (بتوں کی، یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)۔ (اخرجه الترمذی)

تشریح ..... ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دی جائے، اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی اللہ کے بندے کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورۂ حج کی مذکورہ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کیساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور دونوں سے بچنے کی تاکید کیلئے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اس طرز بیان کا حوالہ دیکر رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے، اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دن صحابہؓ سے ارشاد فرمایا، اور تین دفعہ ارشاد فرمایا: "کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا" راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ سہارا لگائے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بار بار آپ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش اب آپ خاموش ہو جاتے یعنی اس وقت آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ ایسے جوش سے فرما رہے تھے کہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ آپ کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے، اس لئے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ خاموش ہو جائیں، اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

جھوٹی قسم

۲۰۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال مارلے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہو گئے۔

(بخاری و مسلم)

اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ.

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے ہمکلام ہوگا نہ ان پر عنایت کی نظر کریگا اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے انکو پاک کریگا اور انکے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا یہ لوگ تو نامراد ہوگئے اور ٹوٹے میں پڑے، حضور ﷺ یہ تین کون کون ہیں؟؟ آپ نے فرمایا اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسا کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔

جس طرح حاکم اور جج کے سامنے کسی معاملے میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے اسی طرح سودے کو بیچنے کے لئے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کے اسکو یقین دلانا بھی اسم الٰہی کا نہایت بے محل استعمال اور بڑی ردی حرکت ہے اسلئے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا، اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی اور اسکی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

بعض خفی قسمیں

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا، بعض قسم جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے

۲۰۷۔ **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِیْ اُمِّیْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِیْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ اُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِ اَنْ تُعْطِيَهُ؟ قَالَتْ اَرَدْتُ اَنْ اُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ.**

عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا یہ دے آ، میں تجھے کچھ دوں گی، رسول اللہ ﷺ نے میری ماں سے فرمایا تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اسکو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یاد رکھو اگر اس کہنے کے بعد اس بچے کو کوئی چیز بھی نہ دیتیں، تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا اصل منشاء یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے کے لئے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہیں چاہئے علاوہ ازیں اسکی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ انکا مقصد صرف بہلاوا ہی ہو، پھر بھی بچے ان

سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے، اور جھوٹ بولنے میں وہ کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

۲۰۸) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ۔ (رواہ احمد والترمذی وابو داؤد والدارمی)

بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے اپنے بیان میں جھوٹ بولے، اس کیلئے افسوس اس پر افسوس۔

مطلب یہ ہے کہ صرف لطف صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنا بھی بری بات اور بری عادت ہے، اگرچہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن اولاً تو خود بولنے والے کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت ہونی چاہئے اس میں بھی کمی آتی ہے، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

۲۰۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے بیان کرتا پھرے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجے کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائق اعتماد نہیں رہتا۔ بہر حال مؤمن کو چاہئے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

خیانت کی بعض خفی قسمیں

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اس لئے رسول اللہ نے ان کے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے، اس سلسلے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے:

۲۱۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک موقع پر ابو الہیثم بن التیہان سے فرمایا جس سے کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اس کے سپرد امانت کی

جاتی ہے۔

تشریح ابو الہیثم بن التیہان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ چاہا تھا، اس موقع پر آپ نے اُنکے یہ ارشاد فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اسے چاہئے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو امتاد اور بھروسے کے قابل سمجھ کر اس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اسکے سپرد کی ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ حقِ امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اسکی بات کو راز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجے کی خیانت کا مجرم ہو گا۔

(۲۱۱) **عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ۔** (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ بات تم سے نہ کہے اسکو راز رکھنا، لیکن اسکے کسی طریقے سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے، تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے اور امانت کی طرح تم کو اس کی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچا دیا، تو تمہاری طرف سے یہ امانت میں خیانت ہو گی، اور تمہیں خدا کے سامنے اسکا جواب دینا ہو گا۔

لیکن ایک دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی بندے نے کسی کو قتل کرنے یا کسی کی آبروریزی یا اسکو مالی نقصان پہنچانے کی سازش تمہارے علم میں آئے تو پھر ہرگز اسکو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلق آدمیوں کو اس سے مطلع کر دو، وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے:

(۲۱۲) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ اَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ۔** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں راز داری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اہل مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں، ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خونِ ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت و عفت لوٹنے کے مشورے سے ہو، تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔

تشریح ان باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ منشاء یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کیلئے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے، تو پھر ہرگز اس کو راز میں نہ رکھو بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانتداری اور امانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ

کو ناکام بنانے کیلئے جس کو اس سے باخبر کرنا ضروری سمجھو اسکو ضرور باخبر کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہو گی اور بندوں کے حق میں بھی۔

اختلاف اور جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے اپنی طرف سے بنا کر بات کہنا جھوٹ نہیں

۲۱۳) عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِىْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِىْ خَيْرًا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے اور (اچھا تاثر ڈالنے والی) اچھی باتیں کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے، اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، اور پھر اسکے نتیجے میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، کبھی کبھی تو خون خرابہ اور قتل و غارت اور آبروریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسرِ جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرنے اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کے باتیں پہنچائی جائیں جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں بھی پہنچائے جو واقعے میں اس فریق نے نہ کہی ہوں، اس مخلص بندے کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہ ہو گا، جو معصیت اور گناہ کبیرہ ہے، بس یہی اس حدیث کا منشاء ہے۔۔۔ اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کا "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز"۔

ایفاءِ وعدہ اور وعدہ خلافی

وعدہ کر کے پورا کرنا در حقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے، اسلئے رسول اللہ نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں رسول اللہ نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا کہ: جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے میں اس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور ان میں آپ نے ایفاءِ وعدہ کو بھی گنایا۔

اور "کتاب الایمان" میں "شعب الایمان" کے حوالے سے حضرت انسؓ کی وہ حدیث گزر چکی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ: "جو شخص اپنے عہد کا پابند نہیں، اس کا دین میں کوئی حصہ نہیں"۔ اب چند حدیثیں اس سلسلہ کی یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں!

(۲۶۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب اس کو کسی چیز کا امین بنا دیا جائے تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ۔۔۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت سے "کتاب الایمان" میں بھی گزر چکی ہے، اور وہاں پوری تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ ان باتوں کے منافق کی نشانی ہونے کا کیا مطلب ہے۔ وہاں کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت اور وعدہ خلافی دراصل یہ منافقوں کے اخلاق ہیں، اور جس شخص میں یہ بری عادتیں موجود ہوں وہ خواہ عقیدہ کا منافق نہ ہو لیکن عمل اور سیرت میں منافق ہی ہے۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "وَإِنْ صَلَّى وَصَامَ وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ" یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو پھر بھی ان بداخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔

بہرحال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتایا گیا ہے۔

(۲۶۵) عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِدَةُ دَيْنٌ۔
(رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہئے)۔ (معجم اوسط طبرانی)

تشریح: ۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے، اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے، لیکن اگر بالفرض کسی برے کام میں ساتھ دینے کا یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے، یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے، تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا، اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا، بلکہ اتباع شریعت کا ثواب ہوگا۔

(۲۶۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي الْحَمْسَاءِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُّبْعَثَ وَبَقِيَتْ

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا ہے اور نیت اس کو پورا کرنے کی تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عند اللہ گنہگار نہ ہوگا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا، تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع و خاکساری اور غرور و تکبر

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن و کمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے بندگی اور نیاز مندی ظاہر ہو، اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے، جیسے کہ اس کے بالکل برعکس تکبر کبریائی کا مظہر ہے، اور اسی لئے وہ شان بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کیلئے زیبا ہے۔

(۲۱۹) عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتَّى لَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو، جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، اور کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۲۰) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيْرٌ وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِي نَفْسِهِ كَبِيْرٌ حَتَّى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، جس نے اللہ کیلئے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگان خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا۔ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا، اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا، لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(۲۲۱) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ

اور عزت و دولت ہے، جس کے لئے کبھی فنا نہیں، اور اس کے علاوہ سب کے لئے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ (جاثیہ ۴۵: ۳۷)

اور اسی کیلئے کبریائی اور بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا۔

پس اب جو بد بخت خود غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لئے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے، اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا ہے، کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بد عملی یا بد اخلاقی کا ایسا برا انجام بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جاسکے گا، ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بد عملی یا بد اخلاقی اپنی اصلی تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی اور دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔

یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جا سکیں گے، بلکہ ان کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لئے اس حدیث کا مطلب بھی اس اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہئے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈلوانے والی خصلت ہے، یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جا سکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی، اور جب وہاں آگ میں تپا کے اس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا، اور غرور کی گندگی سے اس کو پاک و صاف کر دیا جائے گا تو اگر وہ صاحب ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جا سکے گا۔

(۲۲۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ — وَفِي رِوَايَةٍ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ — وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انکی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا، اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے: ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا فرمانروا، اور تیسرا نادار و غریب متکبر۔ (صحیح مسلم)

تشریح: — بعض معصیتیں بذات خود بھی سنگین اور گناہ کبیرہ ہوتی ہیں، لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر ان کا صدور ہو، تو ان کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، مثلاً چوری بذات خود بڑی معصیت ہے، لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو، جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو، یا سرکاری سپاہی و چوکیدار ہو، تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا، اور اس کو قابل معافی نہیں سمجھا

جائے گا۔ اس حدیث میں اسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعلان فرمایا گیا ہے کہ ان بدبخت بدنصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم کلام نہ ہوگا، اور ان کا تزکیہ بھی نہ فرمائے گا اور آخرت میں یہ مجرم رب کریم کی نظر کرم سے بھی قطعی محروم رہیں گے۔ ایک بوڑھا زناکار، دوسرا جھوٹا فرمانروا، تیسرا ناداری کی حالت میں تکبر کرنے والا۔ اور یہ اس لئے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہو تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ درگزر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے، لیکن اگر کوئی بوڑھا بڑھاپے میں یہ حرکت کرے، تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے، اسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لئے جھوٹ بول جائے، تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ معافی ہو سکتا ہے، لیکن ایک صاحبِ اقتدار حکمراں اگر جھوٹ بولتا ہے، تو یہ اس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے۔ ایسے ہی کوئی دولت مند اگر تکبر کرے، تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے یہ کچھ زیادہ مستبعد نہیں ہے

”یہ دولت بڑی مستی نہ کرتی مغروری“

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اس کی انتہائی دناءت اور کمینہ پن ہے۔ الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے، تزکیہ نہ کئے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کئے جائیں گے اور صرف عقیدہ یا بعض اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ان کو مومنین صالحین میں شامل نہ کیا جائے گا، بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ واللہ اعلم

شرم و حیا

شرم و حیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے۔ یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے برے کاموں اور بری باتوں سے روکتا، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ الغرض شرم و حیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش و منکرات سے اس کی محافظ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے، اور اس وصف کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ترقی دینے کی کوشش کیجئے۔

۲۲۴) **عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔** (رواه مالك مرسلا ورواه ابن ماجة والبيهقي في شعب الايمان عن انس وابن عباس)

زید بن طلحہ سے روایت ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے، اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور انسانی زندگی میں اسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحمدلی اور عفو و درگزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ مسیحی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحمدلی اور عفو و درگزری گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے) اسی طرح اسلام، یعنی حضرت محمد رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیا پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہمارے عرف اور محاورہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے بچے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیا کا تعلق صرف اپنے ابناء جنس ہی سے نہیں ہے، بلکہ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پا رہا ہے، اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے، اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ کی، اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا اور سب محسنوں کا محسن ہے، لہذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم و حیا اسی کی ہونی چاہئے، اور اس حیا کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے اور اس سے باز رہے، اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے موطا میں زید بن طلحہ تابعی سے مرسلاً روایت کیا ہے (یعنی ان صحابی کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث زید بن طلحہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ کے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے)۔

۲۲۵) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔**

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کا گذر انصار میں سے ایک شخص پر ہوا اور وہ اس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارہ میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اس کو اسکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حیا تو ایمان کا جز یا ایمان کا پھل ہے۔

تشریح — حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے معاملات میں نرم ہوں گے، سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں گے، اور بہت سے موقعوں پر اسی شرم و حیا کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کر پاتے ہوں گے، جیسا کہ اہل حیا کا عموماً حال ہوتا ہے، اور ان کے کوئی بھائی تھے، جو ان کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن یہ بھائی ان صاحب حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اس قدر شرم و حیا کیوں کرتے ہو، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا ان دونوں بھائیوں پر گذر ہوا اور آپ نے ان کی باتیں سن کر ملامت و نصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا کہ اپنے اس بھائی کو ان کے حال پر چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے، شرم و حیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے اگر اس کی وجہ سے بالفرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں، تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

(۲۲۶) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِى الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِى النَّارِ۔** (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے، اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے، اور بدکاری دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح — اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو "الحیاء من الایمان" فرمایا گیا ہے، بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم و حیا بھی ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے، صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں (جو کتاب الایمان میں گذر چکی ہے) فرمایا گیا ہے "والحیاء شعبة من الایمان" (اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے) بہرحال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے، اور یہ سب اسی کی تعبیریں ہیں۔ اور اسی کی ایک تعبیر وہ بھی ہے، جو اس سے بعد والی حدیث میں آرہی ہے۔

(۲۲۷) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ۔** (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ — حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیا میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا، الغرض کسی شخص یا جماعت میں حیا اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہوگا۔

۲۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔
(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حیا صرف خیر ہی کو لاتی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم و حیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے، اور آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتی کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیانہ نقطۂ نظر سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی اگر ایمانی اور اسلامی وسیع نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بجائے نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں بعض لوگوں کو ایک اور بھی شبہ ہوتا ہے اور وہ شبہ یہ کہ شرم و حیا کی زیادتی بعض اوقات دینی فرائض ادا کرنے سے بھی رکاوٹ بن جاتی ہے، مثلاً جس آدمی میں شرم و حیا کا مادہ زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے، اور اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اعلیٰ دینی کاموں میں بھی دھیما اور کمزور ہوتا ہے۔ لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے۔ انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ دراصل حیا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے، لوگ ناواقفی سے اس میں اور حیا میں فرق نہیں کر پاتے۔

۲۲۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اس میں ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ "جب تم میں شرم و حیا نہ ہو، تو پھر جو چاہو کرو"۔ (صحیح بخاری)

تشریح: انبیائے سابقین کی پوری تعلیمات اگرچہ محفوظ نہیں رہیں، لیکن ان کی کچھ کچھ باتیں ضرب المثل کی طرح ایسی مقبول عام اور مشہور عام ہو گئیں کہ سیکڑوں ہزاروں برس گزرنے پر بھی وہ محفوظ اور زبان زد خلائق رہیں، انہیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ تک بطور ضرب المثل لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی "اذا لم تستحي فاصنع ما شئت" جس کو فارسی میں کہا جاتا ہے "بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن"۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ حکیمانہ اور ناصحانہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

۲۳۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ، قُلْنَا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ

روزی پر قانع بھی بنا دیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو، اور ساتھ ہی اس دنیا میں گذارے کا بقدر ضروری سامان بھی، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرمادے، تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہوں کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُرمسرت بن جاتی ہے۔

ایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را

آدمی کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں، لیکن اس میں اور زیادہ کے لئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، اور "ھل من مزید" ہی کے چکر میں پڑا رہے تو اسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا، برخلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر و افلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی۔ اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

(۲۳۲) **عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعُرُوْضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ۔** (رواه البخارى)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (صحیح بخاری)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہی حقیقت رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی۔

(۲۳۳) **عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ تَقُوْلُ كَثْرَةُ الْمَالِ الْغِنَى قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ تَقُوْلُ قِلَّةُ الْمَالِ الْفَقْرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ ذَالِكَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ الْغِنَى فِي الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِي الْقَلْبِ۔** (رواه الطبرانى فى الكبير)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں حضور! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ نے فرمایا کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں حضور! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اصلی دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے، اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح حقیقت یہی ہے کہ تونگری اور محتاجی، خوشحالی اور بدحالی کا تعلق روپیہ پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل

سے ہے، اگر دل غنی اور بے نیاز ہے، تو آدمی بہجت اور خوشحال ہے اور اگر دل حریص و تنگ کا گرفتار ہے، تو دولت کے ذخیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور محتاج و پریشان حال ہے، سعدی علیہ الرحمۃ کا مشہور قول ہے:

تونگری بدل است نہ بہ مال

٢٣١) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ حَتَّى إِذَا نَفِدَ مَا عِنْدَهُ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ أَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ. [illegible]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دفعہ کچھ طلب کیا، آپ نے ان کو عطا فرما دیا (لیکن ان کی طلب ختم نہیں ہوئی) اور انہوں نے پھر طلب کیا، آپ نے پھر ان کو عطا فرما دیا یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور کچھ نہ رہا، آپ نے ان انصاریوں سے فرمایا، سنو! جو مال و دولت بھی میرے پاس ہو گا اور کہیں سے آئے گا، میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (بلکہ تم ہی کو دیتا رہوں گا، لیکن یہ بات خوب سمجھ لو کہ اس طرح مانگ مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوش عیشی حاصل نہیں ہو گی بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود عفیف بننا چاہتا ہے یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی ذلت سے اس کو بچا دیتا ہے، اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے، یعنی اپنے کو بندوں کا محتاج اور نیاز مند بنانا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکو صبر کی توفیق دے دیتا ہے (اور صبر کی حقیقت اسکو نصیب ہو جاتی ہے) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔

اس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو، اور ان کے سامنے اس کو دست سوال دراز نہ کرنا پڑے، اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں، تو اسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ "کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی"۔ واقعہ یہی ہے کہ "صبر" دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہے، اسی لئے قرآن مجید کی آیت "وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلوٰةِ" میں صبر کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی

مقدم کیا گیا ہے۔

۲۳۵) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِىْ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِىْ ثُمَّ قَالَ لِىْ يَا حَكِيْمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِىْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مال طلب کیا، آپ نے مجھے عطا فرما دیا، میں نے پھر مانگا، آپ نے پھر عطا فرما دیا، پھر آپ نے مجھے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے)۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضور ﷺ کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔

تشریح: اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اس کو پھر ایسا نباہا کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔ اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت و امارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲۳۶) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ أَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا وَأَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ حرص و طمع سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو بخل

کرنے کو کہا تو انہوں نے قتل ناحق کیا، اس نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قرابت کی پامالی کے لیے کہا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کی، اس نے ان کو بدکاری کے لیے کہا تو انہوں نے بدکاریاں کیں۔

(ابو داؤد)

تشریح ..... یعنی حرص و طمع صرف ایک بری خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری حفاظت کریں۔

۲۳۷) **عَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِىْ رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَ جُبْنٌ خَالِعٌ۔** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ انسان میں سب سے بری بات گھبرا دینے والی حرص اور دہلا دینے والی بزدلی ہے۔ (ابو داؤد)

تشریح ..... یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس فکر میں گھلتا اور گھبراتا رہتا ہے کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے، اسی طرح زیادہ بزدل آدمی خواہ مخواہ موہوم خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے نصیب نہیں ہوتے، رسول اللہ ﷺ نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا، اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر و شکر

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آ جائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں، اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوت بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ

ہو جاتے ہیں وہ بھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتے اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی ان کی جان نہیں نکلتی اور مایوسی اور دل شکستگی ان کی ہمت و قوت کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے کی رسول اللہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

۲۲۸۔ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔ اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔

تشریح: اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کو پہنچتا ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔ اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لئے ان بندگان خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

۲۲۹۔ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔

تشریح: جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتداء ہی میں ہوتا ہے، اور پھر کچھ دن گذرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو

صاحبِ ایمان بندہ کو کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرنے کا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدائے تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے، اور براہ راست بندہ کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ اے ابن آدم جب تجھے میری تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

ف: جب کسی بندہ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کرکے صبر کرلے، تو ان شاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔

۲۴۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ أُصِيْبَ بِمُصِيْبَةٍ فِيْ مَالِهِ أَوْ فِيْ نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا إِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ۔ (رواه الطبراني في الاوسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو، اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔ (معجم اوسط طبرانی)

تشریح: صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو، اور ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پکا وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۴۱) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتْ اِبْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنَّ اِبْنًا لِيْ قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهِ فَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔ (رواه البخاري ومسلم)

ترجمہ: حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا کے بھیجا کہ میرے بیٹے کا آخری دم ہے، اور چل چلاؤ کا وقت ہے، لہٰذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے ان کے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے، اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے،

الغرض ہر چیز ہر حال میں اسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہئے کہ تم صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی طالب ہو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اٹھ کر چل دیئے، اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہؓ اور معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور بعض اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا اور اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، اس کے حال کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا، حضرت یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہو گی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔

تشریح ..... حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا، اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔ باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہؓ نے حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب سے سوال اس لئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ دل کا یہ تأثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۴۲) عَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلَى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ فَأَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْأَجْرَ وَأَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَإِيَّاكَ الشُّكْرَ فَإِنَّ أَنْفُسَنَا وَأَمْوَالَنَا وَأَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهِ فِي غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهُ مِنْكَ بِأَجْرٍ كَبِيْرٍ، الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى إِنِ احْتَسَبْتَهُ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ أَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ أَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَأَنْ قَدْ. وَالسَّلَامُ. (رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

ترجمہ ..... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:

فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبۂ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کریں گے، اور جب ان پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے ان کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے حالانکہ ان میں (کوئی خاص درجہ کی) بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ نے عرض کیا کہ، جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی، تو ان سے خوشحالیوں میں شکر، اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں ان کو اپنے حلم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دوں گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ۔۔۔ مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوشحالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا" اب اگر کسی امت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شاکر ہو، تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے، اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عام صحابہ اور قرونِ مابعد کے صلحاء مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، اور ان کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرے ان بندوں کو عطا فرما دیئے ہیں اور یہ صبر و شکر اسی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اس امت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انہوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اس کی تکمیل ان کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے، اور اس کے نتیجہ میں ایک ایسی امت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم و حلم سے وہ بہرہ یاب ہوگی۔

توکل اور رضا بالقضا

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، ان میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں ان کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح عالم وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور

سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ان کا ترک کر دینا توکل کا مقتضی نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضاء ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔[1]

البتہ توکل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو، اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرز عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے، یہ تعداد صرف ان کی ہے جو اس فضیلت کے درجہ کمال میں مستحق ہوں گے ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جا چکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

(۱۱۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا۔

(رواه الترمذى وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کریں جیسا کہ انہیں کرنا چاہئے تو اللہ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہوگا کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہے گا۔

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کو توکل ہی کے بیان میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اقول انما وصفهم النبى صلى الله عليه وسلم بهذا (اى بقوله هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون الخ) اعلاماً بان التوكل ترك الاسباب التى نهى الشرع عنها لا ترك الاسباب التى سنها الله تعالى لعباده.

انھیں آدمیوں کی سی محنت و مشقت کے بغیر معمولی نقل و حرکت سے روزی مل جاتی ہے، صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے، اور انھیں زیادہ کد و کاوش نہ اٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اٹھانی پڑتی ہے۔

(۲۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِقَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً فَمَنْ أَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ۔ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے دل کیلئے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگا دے گا، اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو پرواہ نہ ہوگی کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی حاجتیں اسکے سپرد کر دے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنا دے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کیلئے کفایت کریگا (اور سکون کے اطمینان و سکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے)۔

تشریح: حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے، ما حصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور اس پر توکل اور اعتماد کرے، اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گذارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جد و جہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کر دے، پھر اللہ اس کیلئے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

(۲۴۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلَى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔ (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا، اور دنیا و آخرت کی آفات و بلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے مدد و اعانت طلب کر، اور اس بات کو

دل میں ڈالے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر ارادہ کرے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے تو صرف اسی چیز سے تجھ کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر دی ہے، اس کے سوا کسی چیز سے نہیں، اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا، اٹھا لئے گئے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے۔

تشریح — حدیث کا مطلب، منشا اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع، نقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یا دکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے۔ اس صورت میں اپنی حاجات کے لئے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے۔ لہٰذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لئے اسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا، اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائے گا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ تقدیر کا مطلب کیا ہے، اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہے، اس لئے اس شبہ اور وسوسے کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو اس بارے میں خلجان ہو تو معارف الحدیث حصہ اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

۲۴۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَإِنَّ الرُّوْحَ الْأَمِيْنَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ وَإِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا أَلَا فَاتَّقُوا اللهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللهِ فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللهِ إِلَّا بِطَاعَتِهِ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ — حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کیلئے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آٹا آگیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے نا آشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے، ان کے لئے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے "وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ" (سورۂ طلاق) (اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کیلئے اور اس کے کام بنانے کیلئے کافی ہے۔

(٢٥٠) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ تَرْكُهُ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ۔

(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے جو فیصلہ ہو وہ اس پر راضی رہے، اور آدمی کی بدبختی اور بدنصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بدنصیبی اور بدبختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے موقع پر بندہ کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف بالعباد یقین کرتے ہوئے اسکے فیصلہ پر راضی رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○" (ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے بہتری ہو، اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے، اور تم بے خبر ہو)

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا کرتا رہے کہ اس کے نزدیک بندہ کیلئے جو خیر ہو اسی کا اس کیلئے فیصلہ کیا جائے حضور نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بدنصیبی اور بدبختی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بدبختی اور بدنصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضا و قدر اور اس کے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو۔

ظاہر ہے کہ "رضا بالقضا" کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ان

گے، اور ان کی اس محرومی کا پورا پورا ظہور بھی آخرت میں ہی ہوگا۔

اس باب میں اصل بنیاد تو رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات" ہے، جو حصہ اول کے بالکل شروع میں درج ہو چکی ہے اور وہیں اس کی تشریح بھی بسط و تفصیل سے کی جا چکی ہے، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، اب اس کے علاوہ اس سلسلہ کی دوسری چند حدیثیں یہاں درج کی جا رہی ہیں، اور ان ہی حدیثوں پر یہ جلد دوم ختم ہو رہی ہے۔

(۲۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَ أَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، و لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔" (صحیح مسلم)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل و صورت یا اس کی دولت مندی نہیں ہے، بلکہ دل کی درستی اور نیک کرداری ہے، وہ کسی بندے کیلئے رضا اور رحمت کا فیصلہ اس کی شکل و صورت یا اس کی دولت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ اس کے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔

بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں بجائے مذکورہ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ۔

(جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں اور تمہارے صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کیلئے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دار و مدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے، پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو اور اس کی نیت درست نہ ہو، تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اخلاص کی برکت اور اس کی تاثیر و طاقت

(۲۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوْا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ انْظُرُوْا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ أَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِيْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعَى عَلَيْهِمْ فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وُلْدِيْ وَأَنَّهُ قَدْ نَأَى

ریا ایک درجہ شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے

اخلاص وللّٰہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ریا و سمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔

(۲۵۳) عَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے، جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کیلئے صدقہ خیرات کیا اُس نے شرک کیا۔ (مسند احمد)

تشریح: حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، یہ وہ "شرکِ جلی" اور "شرکِ حقیقی" اور "شرکِ اکبر" ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے، اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں بخشا جائے گا۔ لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کے شرک نہیں ہیں لیکن اُن میں اس شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے، اُن ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرے، یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار اور نیکوکار سمجھیں اور اس کے معتقد ہو جائیں، اسی کو ریا کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو "شرکِ خفی" اور ایک اور حدیث میں "شرکِ اصغر" کہا گیا ہے (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں)۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کیلئے اور انکی نظروں میں معزز و محترم بننے کیلئے یا اُن سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا شرک ہی ہوگا، اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

(۲۵۴) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِىْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِىُّ اَنْ يَّقُوْمَ الرَّجُلُ يُصَلِّىْ فَيُزَيِّنُ صَلٰوتَهٗ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (اپنے حجرۂ مبارک

سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے ہم سے فرمایا کیا میں تم کو وہ چیز بتلاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے، ہم نے عرض کیا، حضور ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو اس لئے لمبا کر دے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجال جس کھلے شرک و کفر کی دعوت دے گا اور جس کیلئے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کیلئے آمادہ ہو گا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کر دے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو، بلکہ مخفی قسم کا شرک ہو، جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز اس لئے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ایسا ہو گا کہ آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ نے فرمایا، یہ تو اطمینان ہے کہ میرے امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے، لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہو گا کہ ریا والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

۲۵۵) **عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ۔** (رواہ احمد)

ترجمہ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرک اصغر" کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "شرک اصغر" کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرنا)۔ (مسند احمد)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا اصل مقصد و منشا، اپنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں، اور اس مخفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس مخفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کر دے۔

جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا

۲۵۶) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيْ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ — وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهُ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں، اسی طرح میں راضی نہیں ہوتا، اور کسی کی ہوئی شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور سے بھی کچھ شریک کرے (یعنی اس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور کو بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اس کے شریک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس سے بیزار اور بے تعلق ہوں، وہ عمل (میرے لئے بالکل نہیں بلکہ) صرف اس دوسرے کیلئے ہے جس کیلئے اس نے کیا (یعنی جس کو اسنے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

۲۵۷) عَنْ أَبِىْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِىْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَمَعَ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِىْ عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللهِ فَإِنَّ اللهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: ابو سعید بن ابی فضالہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا، کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اس نے اللہ کیلئے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اس کا ثواب اُسی دوسرے سے جا کر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

تشریح ــــ دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اُس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اُس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو، اور اس کے برخلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اُس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاوٹ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو اُن اعمال کا ہے جو اللہ کیلئے کئے جائیں لیکن نیت میں پورا اخلوص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاوٹ ہو لیکن جو "نیک اعمال" محض ریاکارانہ طور پر کئے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراج عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ریاکاروں کو فضیحت اور رسوائی کی سزا

(۲۵۸) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔

تشریح: ۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا ان کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ ان کی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرا دیا جائے گا کہ یہ بدبخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے تھے، بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کیلئے کیا کرتے تھے۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سر محشر ان کی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو ان کی بدباطنی دکھا دی جائیگی۔

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

(۲۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّانِ مِنَ اللِّيْنِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللهُ اَبِيْ يَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَيَّ يَجْتَرِءُوْنَ فَبِيْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰى اُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانًا۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کیلئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے، انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے، (ان کے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھا رہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو ان کے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔

تشریح: ۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس ان خاصان خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کر کے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے، اور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

ریاکار عابدوں اور عالموں کو جہنم کا سخت ترین عذاب

(۲۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ، قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَدْخُلُهَا؟ قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ "جب الحزن" (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، حضرت! جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا برا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اُس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! اُس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا، وہ بڑے عبادت گذار اور زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کیلئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

تشریح..... جہنم کے اس خندق جب الحزن میں ڈالے جانے والوں کیلئے رسول اللہ ﷺ نے "القراء" کا لفظ بولا ہے، اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں پس حضور کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادت گذار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے اُن کی یہ ساری دینداری اور عبادت گذاری ریاکارانہ ہوگی۔

قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارے میں کیا جائے گا

(۲۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اسْتُشْهِدْتُ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِیٌّ فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِیٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِیَ فِی النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ

فَسُحِبَ بِهِ عَلَى وَجْهِهِ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالت خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا، یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا، پھر خداوند تعالیٰ اس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اقراری ہوگا، سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے کہ) میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اس لئے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہو لئے، پھر اس کیلئے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ان میں سے ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کیلئے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کیلئے آپ کی کتاب پاک قرآن میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی، تو نے تو علم دین اس لئے حاصل کیا تھا اور قرآن تو اس لئے پڑھا تھا تاکہ تجھ کو عالم و قاری اور عابد کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تجھے عالم و عابد اور قاری قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا، پھر اس کیلئے بھی خداوندی کا حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں خوب دولت دی ہوگی اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ عرض کرے گا خداوندا جس جس راستے میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال ان سب ہی میں خرچ کیا ہے، اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا، حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے ہوں، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہو لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

تشریح — الحطمة هذا کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے، اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے، یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور راہ خدا میں جانی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں، اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کیلئے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کیلئے کئے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کیلئے کیا جائے گا، اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اللهم احفظنا

اعمال صالحہ کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت اللہ کی ایک نعمت ہے

(۲۶۲) **عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ — وَفِىْ رِوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ — قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ۔** (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے، ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا یہ تو مؤمن بندہ کی نقد بشارت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح — ریا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے مندرجۂ بالا قسم کے ارشادات نے صحابہ کرامؓ کو اتنا ڈرا دیا تھا کہ ان میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا چرچا ہو، اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں، تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ ہی مل گیا۔ اسی کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا تلک عاجل بشری المؤمن جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عملی کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ و استغفار کیا جائے) آپ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خود کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمال صادق اخلاص کیساتھ اللہ ہی کیلئے کئے جائیں، لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اس کو اس سے خوشی ہو، تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اسکی اقتدا کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا، بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقتِ اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا سمعہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ اللّٰھم آمین۔

فالحمد لله الذی بعزته وجلاله تتم الصالحات